ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
زیر سرپرستی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۴ جنوری سنہ ۱۹۵۸
مدنی نمبر
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

عقیدت کے پھول

تربتِ مدنیؒ پر

(از جناب لال الدین صاحب آخگر بی اے۔ بی۔ ٹی)

حضرتِ مدنیؒ چراغِ راہِ دیں — حضرتِ مدنیؒ امام العارفیں
فخرِ انساں قدسیوں کے ہمنشیں — جن کا ثانی اس زمانے میں نہیں
جا بسے فردوس میں وُہ جا بسے
می تپند دل ہا ز سوزِ فرقتے

واقفِ اسرارِ دینِ مصطفےٰؐ — مردِ حق مصداق خبر کانبیاءؑ
سرگروہِ اتقیا و اصفیا — قطبِ دوراں حاملِ صدق و صفا
نکتہ سنجِ عالمِ رُوحانیاں!
وارداتِ اولیاء کے رازداں

بُقعۂ انوار تھا دار الحدیث — مرکزِ ابرار تھا دار الحدیث
مرجعِ اخیار تھا دار الحدیث — قبلۂ احرار تھا دار الحدیث
عصرِ حاضر یافت مثلِ بایزید
نورِ قرآن و خبر ہر جا رسید

خونِ حریت ـ تری فطرت کا نور — جنگِ آزادی تری غیرت کا نور
بے خطر رہنا تری طینت کا نور — کفر سے لڑنا تری جرأت کا نور

عالمِ دیں غازیِ راہِ صفا
باز نائد مثلِ تو مردِ خدا

کتنی آنکھیں ہو رہی ہیں اشکبار — کتنے دیوانے ہیں پھرتے دل فگار
تیرے غم میں ذرّہ ذرّہ سوگوار — اے جہانِ جاوداں کے شہسوار
دل کی حالت مُنہ سے کیا ہوتی بیاں
بے کسی پہ اپنی روتے آسماں

آج ہے ماتم کُناں دار العلوم — آج بے روحِ رواں دار العلوم
دیکھئے گریہ کُناں دار العلوم — بن گیا غم کا نشاں دار العلوم
الوداع اے صاحبِ فکر و عمل
الوداع اے عاشقِ ختم الرسلؐ

جنت الفردوس ہو تربت تری — رات دن بڑھتی رہے رفعت تری
قابلِ صد رشک ہو عظمت تری — اہلِ جنت بھی کریں عزت تری
رُوحِ قاسمؒ[1] کو تھا تیرا انتظار
قلبِ انورؒ[2] ہو رہا تھا بیقرار

۱؎ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ۲؎ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عظیم اسلامی فنِ حرب کے شاہکار

(از جنرل محمد اکبر خان)

حدیثِ دفاع آج ملٹری سائنس اپنے انتہائی عروج پر ہے لیکن آج سے پونے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن خطوط پر ملٹری سائنس کی بنیاد رکھی تھی آج تک وہ اسی طرح روشن ہیں۔ اگرچہ طریقِ جنگ بدل گیا ہے مگر اصولِ جنگ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ کتاب اردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ قیمت [illegible] روپے

ہمارا دفاع میدانِ جنگ کے اس آزمودہ کار جرنیل نے اس کتاب میں [illegible] اسلامی سلطنت جمہوریہ پاکستان کے دفاعی نظام اور افواجِ پاکستان کے [illegible] پر [illegible] پاکستانی عوام [illegible] ہے۔ اندازِ بیان اور اندازِ تحریر نہایت دلکش۔ قیمت [illegible]

اسلحہ جنگ حدیثِ دفاع اور ہمارا دفاع کے قابل اور آزمودہ کار مصنف نے اس کتاب میں [illegible] ہتھیاروں، ان کے استعمال، ان کی ضروریات فنِ حرب [illegible] کے [illegible] میں سائنس کی کرشمہ سازیوں پر نہایت پُر از معلومات تبصرہ کیا ہے۔ قیمت [illegible] روپے

محمد بن قاسمؒ اس نوجوان سپہ سالار کو فاتحِ سندھ کی حیثیت سے تو سب جانتے ہیں لیکن [illegible] کی مہارت فنِ حرب میں آکر جس عظیم مہارتِ جنگ کا مظاہرہ کیا، اس کی نظیر دنیا کے [illegible] اس کی کامیابی کی صرف ایک وجہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ کی حدیثِ دفاع سے خوب واقف تھا جس کا عمل و کردار آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے سکتا ہے۔ اسلامی فنِ حرب پر [illegible] نوعیت کی بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۳/۹

جہادِ صدیقؓ رسول اللہؐ کے وصال کے ساتھ ہی عرب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ قبائل مرتد ہو گئے جھوٹے نبی پیدا ہوئے۔ بڑی بڑی غیر مسلم ہمسایہ سلطنتوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر مسلمانوں کو کچل دینے کے منصوبے بنائے۔ شر و فساد کا ایک طوفان تھا جو چاروں طرف سے امڈ آرہا تھا لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عزمِ صمیم، جرأت و استقلال، دانش و تدبیر اور فنِ حرب میں عظیم مہارت نے بڑی ہی مختصر مدت میں ان گھٹاٹوپ ظلمتوں کو صاف کر دیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی عظیم الشان اور بلند پایہ شخصیت کا اندازہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہی لگ سکتا ہے یہی نہیں بلکہ یہ کتاب ہمیں باعزت طریقہ پر آزادانہ زندگی بسر کرنے کے رموز سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ قیمت

زیرِ تالیف و اشاعت:

جرنیل صاحب موصوف کی مزید دو کتب "احکامِ جنگ قرآن حکیم کی روشنی میں" اور "حضرت خالد بن ولیدؓ" زیرِ تالیف ہیں جو عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائیں گی۔

فیروز سنز

۶۰ دی مال لاہور	بندر روڈ کراچی	۳۵ دی مال پشاور

تار: میر فرنٹ
فون نمبر ۵۲۸۲ ۲۹۸۴
میر بیوٹی شالیں
آل وول میرشال
کاک برینڈ جارجٹ کریپ اور شفون
تمام اقسام کی کشمیری کشیدہ پلین فینسی شالیں تمام رنگوں میں نیز سوتی اور اونی
عربی رومال دھسے اسٹولز اور دوپٹے پتہ ذیل سے حاصل کریں
میر فرنیچر سٹور (رجسٹرڈ)
۲۱ پنجاب بلاک اعظم مارکیٹ۔ لاہور
آپ کی قدیم اور محبوب دکان فون نمبر ۳۶۶۹
چائنہ مارٹ
دھنی رام روڈ انار کلی لاہور
جہاں آپ کو
اعلےٰ درجہ کے ڈنر کافی فروٹ سیٹ شیشے کے قیمتی سیٹ پھولدان
فروٹ ڈش ٹیبل دیر گیس لیمپ سٹوو اور نمائش کیلئے لکڑی کے
ٹیبل لیمپ وغیرہ نہایت مناسب قیمتوں پر دستیاب ہو سکتے ہیں۔
پاکستان کے لذیذ ترین بسکٹ
پنجاب بسکٹ
فون نمبر ۴۱۱۲
بنانے والے
پنجاب بسکٹ فیکٹری لاہور
تار۔ حق کو۔ لاہور
فون نمبر ۴۷۰۶
ریڈی میڈ کپڑوں کے لئے
ایچ ایم حیات اینڈ سنز
ٹیلرز اینڈ ڈرائیپرز
149 انارکلی۔ 45 دی مال لاہور تشریف لائیں
شوروم = ۲۴۹۶
آفس = ۶۰۴۳۸
فیکٹری = ۶۱۶۰۹
کوئٹہ برانچ = ۲۱۳۹
تار کا پتہ
آٹو سپرنگ
آپ ہمیشہ
کاروں ٹرکوں اور بسوں میں
سلیمان لیوڈ سپرنگ اور پارٹس استعمال کریں
سلیمان
جو کہ
دنیا کے بہترین سٹیل سپیڈر یا فلیکس سے تیار کئے جاتے ہیں
اور پائیداری میں اپنا جواب نہیں رکھتے
سلیمان اینڈ کمپنی۔ ۵۱ سرکلر روڈ۔ لاہور
خالص پاکستانی مصنوعات پہن کر ملکی صنعت کو فروغ دیجئے
شرٹنگ فلالین اور صوفہ کلاتھ
فون نمبر ۵۴۷۲
تار کا پتہ
FURNISHING
ماڈل ٹیکسٹائل ملز گھوڑے شاہ روڈ باغبانپورہ لاہور

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد ۳ ۱۳ر رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۴ر جنوری ۱۹۵۸ء نمبر ۲۴-۲۵

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی یاد میں ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور اپنا ایک خاص مدنیؒ نمبر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس کے حسن و قبح کا فیصلہ تو قارئین کرام خود ہی کریں گے۔ ہم نے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے باوجود اپنی سعی کا نتیجہ ان کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ وہ اسے شرف قبولیت بخشیں تو زہے نصیب اور اس کو رد کر دیں تو گلہ نہیں۔ ہمیں اپنی تنگ دامانی کا پورا احساس ہے۔ لیکن ہمیں اس خاص نمبر کے پیش کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء مطلوب ہے۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ سعی ناتمام اپنی کمزوریوں کے باوجود اس کی بارگاہ میں یقیناً شرف قبولیت پائے گی۔ کیونکہ وہاں تو خلوص نیت کو دیکھا جاتا ہے ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

مدنیؒ نمبر شائع کرنے میں ہماری اولین غرض تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت مدنیؒ کے ادنےٰ ترین خدام کی فہرست میں شامل فرمالیں تاکہ یہ نسبت قیامت کے دن ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ قارئین کرام اس نمبر کا مطالعہ کرکے حضرتؒ کی عظمت کا اندازہ کر لیں۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں

حضرتؒ کی ذات بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ جامعیت عطا فرمائی تھی۔ جس کی مثال دور حاضر میں ملنی مشکل ہے۔

عالم باعمل۔ زاہد شب زندہ دار۔ استاذ العرب والعجم۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔ صوفی کامل ہونے کے علاوہ آپؒ کے اندر خدمت خلق کا نہ صرف بے پناہ جذبہ تھا۔ بلکہ اس پر پوری طرح عمل بھی تھا۔ غرضیکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی مخصوص جماعت کے بعد ایک انسان میں جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں۔ وہ سب آپؒ کے اندر اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دی تھیں۔

اگر اس قسم کی مقبول بارگاہ الٰہی ہستی سے ادنےٰ قلبی نسبت نجات اخروی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ تو اس سے بغض رکھنا یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے! یہ دونوں باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اس لئے عرض کی گئی ہیں کہ پاکستان میں دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ عوام حضرتؒ کے تلامذہ۔ خدام اور متعلقین نے حضرتؒ کی وفات پر تعزیت کے پیغامات ارسال کئے۔ قراردادیں پاس کیں۔ کئی کئی قرآن مجید ختم کرکے آپؒ کی روح کو ثواب پہنچایا۔ اخبارات و رسائل میں تعزیتی نوٹ لکھے گئے۔ یہ تو وہ گروہ ہے۔ جو حضرتؒ سے اپنی نسبت قلبی کی وجہ سے مبارکباد کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ دوسری قسم ان حضرات کی ہے جن کو حضرتؒ سے سیاسی یا عقائد کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ عقائد کا اختلاف رکھنے والوں کو ہم مخاطب کرنا نہیں چاہتے وہ جانیں اور اللہ تعالیٰ۔ البتہ سیاسی اختلاف رکھنے والوں سے ہم عرض کرینگے کہ ان کو حضرتؒ سے خدا واسطے کا بغض ہے

ان میں سے ایک کو بھی تعزیتی پیغام بھیجنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اسلام اور پاکستان کے بدترین دشمنوں کی وفات پر تو یہ اظہار افسوس کر سکتے ہیں۔ مگر ملت اسلامیہ کے ایک نامور بزرگ کی وفات پر یہ خاموشی اختیار کر بیٹھے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ ان کو حضرتؒ سے نسبت رکھنے والوں میں شامل کیا جائے۔ زیادہ افسوس اُن پر ہے جو تحریک استخلاص وطن کے سلسلہ میں حضرتؒ کے شریک کار بھی رہ چکے ہیں۔ اور ان کو حضرتؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ بھی ملا۔ ان کو بھی تعزیت کا پیغام دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ قومی اسمبلی کا اجلاس بھی ہوا۔ مگر اس میں تعزیت کی رسمی قرارداد تک بھی پاس نہیں کی گئی۔ ان کی خاموشی سے تو حضرتؒ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اس سے انہوں نے اپنا نقصان ضرور کیا۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ وہ مرنے سے پہلے اس کی تلافی کر لیں۔ ہماری دلی دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سچا مسلمان بنائے اور اولیاء اللہ سے قلبی نسبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

اس نمبر کی تیاری میں جن حضرات نے ہمارا ہاتھ بٹایا۔ ہم ان کے ممنون احسان ہیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا میں سرخرو فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ ان میں نمبر اول مضامین نگار حضرات کا ہے۔ جنہوں نے فی سبیل اللہ ہمیں مضامین ارسال فرمائے۔ ان میں سے بعض نے تو اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود ہماری دلجوئی فرمائی۔ اس کے بعد پریس کا عملہ دفتری اور کاتب صاحبان کا نمبر آتا ہے۔ ان سب حضرات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ہماری امداد فرمائی۔ ایجنٹ حضرات اور اخبار فروش احباب نے اس کی توسیع اشاعت ہماری مدد فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ یوم الجمعۃ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۱۹۵۸ء

ازجناب شیخ التفسیر حضرت مولینا احمد علی صاحب جامع مسجد شیرانوالہ لاہور

خدا تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری
انسان کی فطرت کا تقاضا ہے

برادران اسلام۔ آپ کو معلوم ہے کہ بچہ جب بولنا سیکھتا ہے۔ تو اکثر ماں باپ سے سوال کرتا رہتا ہے۔ گھر میں ہو تو سوالات کرتا ہے اور اگر اسے سیر کرانے کے لئے لے جایا جائے تو جو نئی چیز دیکھے گا اس کے متعلق دو سوال کرتا ہے۔ پہلا ابا جی یہ کیا چیز ہے۔ دوسرا یہ کس کام کی ہے۔ یعنی اس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب بڑا ہو جائے تو پھر اوّل تو خود سوچتا ہے۔ یا ہادی اسے توجہ دلاتا ہے۔ کہ تو اپنے متعلق اسی طرح سوچ۔ جس طرح تو دوسری چیزوں کے متعلق سوچتا رہتا ہے۔

پہلی بات تو کیا ہے۔ دوسری بات کس کام کیلئے بنائے گئے ہو

پہلی بات کے متعلق جب سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں تو اس کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ میں نہ زمین سے نہیں اُگا۔ بلکہ مجھے ماں نے جنا ہے۔ کب جنا تھا۔ جب میری ماں کی شادی میرے باپ سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد میرے ماں باپ کی ہمبستری کے تو میرے باپ نے منی کا ایک قطرہ ہی میری ماں کے رحم میں ڈالا تھا۔ اگر منی کا قطرہ ڈالنے ہی سے انسان خود بخود پیدا ہو جاتا تو کوئی ماں باپ بھی بے اولاد نہ ہوتے۔ حالانکہ لاکھوں میاں بیوی دنیا میں بے اولاد نظر آتے ہیں۔ اس غور و خوض کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ ماں کے رحم میں انسان بنانے والا کوئی اَور ہے۔

نمبر دوم

یہ سوچے گا۔ کہ اگر اولاد کا پیدا ہونا ماں باپ کے اختیار میں ہوتا۔ تو ہر ایک کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا۔ کیونکہ عام طور پر فطرت انسانی بیٹے کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ عمر بھر ماں باپ کے پاس ہی رہتا ہے حتیٰ کہ ماں باپ کا کفن دفن وُہی کرتا ہے۔ اور لڑکی ہو تو شادی ہو کر دُوسروں کے ہاں چلی جاتی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ انسان کی اس خواہش کے باوجود بکثرت ایسے ماں باپ پائے جاتے ہیں کہ ان کے ہاں یکے بعد دیگرے لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لڑکا ایک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس غور و خوض سے وُہ اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ مجھے لڑکا بنا کر پیدا کرنے والے ماں باپ نہیں ہیں۔ کوئی اور ہی ذات ہے۔

نمبر سوم

فطرۃ سلیمہ سے سوچنے والا یہ سوچے گا کہ جس طرح بعض ماں باپ کے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لڑکا ایک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض گھروں میں لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ لڑکی ایک بھی پیدا نہیں ہوتی۔ حالانکہ مائیں ترستی ہیں کہ خدا کرے کہ کوئی بیٹی پیدا ہو جائے۔ جس کو سونے چاندی کے زیورات پہنائیں۔ اور عمدہ اور قیمتی رنگا رنگ کے لباس پہنا کر گڑیا کی طرح سجائیں۔ مگر ساری عمر ان کی یہ ہوس پوری نہیں ہوتی۔ اس سے بھی وہ سوچنے والا اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ انسان کو پیدا کرنے والا کوئی اَور ہے۔ اگرچہ ماں باپ انسان کے پیدا ہونے کا آلہ ضرور ہیں۔

نمبر چہارم

اپنی پیدائش کے متعلق غور کرنے والا انسان یہ سوچے گا کہ اگر بچے کا پیدا کرنا ماں باپ ہی کے اختیار میں ہوتا تو ہر بچہ ماں کے پیٹ سے خوبصورت ہی پیدا ہوتا۔ حالانکہ ایک ہی ماں کے جنے ہوئے بعض بچے خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور بعض بد صورت ہوتے ہیں۔ اس سے بھی وہ سوچنے والا انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ انسان کو بنانے والی ماں نہیں ہے۔ کوئی اور ہی ہے۔

نمبر پنجم

وہ سوچنے والا انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ بعض بچے ماں کے پیٹ سے اندھے پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ اگر بچے کی پیدائش ماں کے اختیار میں ہوتی تو سب بچے آنکھوں والے ہی ہوتے اندھا کوئی بھی نہ ہوتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ماں کے پیٹ میں بنانے والا کوئی اور ہی ہے۔

نمبر ششم

وہ سوچنے والا انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ بعض بچے ماں کے پیٹ سے گونگے پیدا ہوتے ہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اگر زبان میں بولنے کی طاقت ڈالنا ماں کے اختیار میں ہوتا۔ تو کوئی بچہ گونگا پیدا نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان میں گویائی کی طاقت ڈالنے والا کوئی اور ہی ہے۔

نمبر ہفتم

وہ سوچنے والا انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ بعض بچے ماں کے پیٹ سے ایسے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ جن کی پیدائشی طور

پر دونوں باہیں نہیں ہوتیں۔ اس سے وُہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ بچے کو باہیں دینا ماں کا کام نہیں ہے کسی اور ہی کا ہے۔ ورنہ کوئی بھی بچہ باہوں کے سوا پیدا نہ ہوتا۔

نمبر ہشتم

وہ سوچنے والا انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ بعض بچوں کا سر اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اس میں سوچ و بچار کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اس سر کی کمزوری کے باعث نیم پاگل سے ہوتے ہیں۔ اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دماغ میں عقل کی صلاحیت کا ڈالنا کسی اور کا کام ہے۔ ماں کا نہیں ہے۔

آٹھ دلائل کا نتیجہ

یہ نکلا کہ باپ نے تو انسان کی ماں کے رحم میں فقط منی کا قطرہ ہی ڈالا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ انسان بننے کا آلہ تو ماں ہی ہے۔ مگر حقیقت میں بنانے والا اور ہے۔ جس طرح ہانڈی میں لذیذ سالن پکتا ہے۔ مگر پکانے والا کوئی اور ہوتا ہے جو ایک اندازہ کا نمک مرچ ڈالتا ہے ایک اندازہ کا گھی ڈالتا ہے۔ ایک اندازہ کی آگ جلاتا ہے۔ ایک خاص اندازہ کے وقت تک اسے پکاتا ہے۔

جو اور ہے

وُہ دراصل ایک ہی ہے۔ البتہ مختلف زبانوں میں اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً عربی زبان میں اسے اللہ (جل شانہٗ) کہا جاتا ہے۔ فارسی زبان میں اسے خدا کہا جاتا ہے۔ ہندی زبان میں اسے پرمیشر کہا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں اسے گاڈ کہا جاتا ہے۔

انسان کے بنانے میں اللہ تعالےٰ کی قدرت

کا کمال ملاحظہ ہو۔ (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝) سورۃ المومنون رکوع ۱ پ ۱۸۔ ترجمہ:

البتہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے حفاظت کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔ پھر اسے ایک نئی صورت میں بنا دیا۔ سو اللہ بڑی برکت والا سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

حاصل

یہ نکلا کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے انسان کو یہ سمجھایا ہے۔ کہ میں نے تیرا خمیر مٹی سے اٹھایا ہے۔ (بلحاظ مفسرین کی ایک توجیہ کے) کہ مختلف سبزیوں۔ ترکاریوں۔ اناج اور میوہ جات کو مٹی سے پیدا کرکے تمہارے ماں باپ کے پیٹ میں بصورت غذا پہنچایا اور غذا سے اپنی خاص تدبیر سے نطفہ بنایا۔ نطفہ سے لوتھڑا بنایا۔ لوتھڑے سے گوشت بنایا۔ پھر اس میں سے کچھ حصہ کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ایک خاص ترکیب سے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر انسان کی شکل بنا کر اُس میں روح ڈال کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالا۔

مذکورۃ الصدر ساری تفصیل

اپنے متعلق سوچنے والے انسان کے پہلے سوال (تو کیا ہے) کا جواب ہے۔ اس تفصیل کے معلوم ہونے کے بعد فطرتاً انسان کی طبیعت میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوگا۔

میں کس کام کیلئے بنایا گیا ہوں

یہ ایک فطرتی سوال ہے۔ جب عقلمند انسان سارے جہان میں نظر دوڑا کر دیکھے گا۔ کہ دُنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی کام کے لئے بنائی گئی ہے۔ مثلاً گدھا باربرداری کے لئے۔ گھوڑا چٹیل میدانوں میں برق رفتاری سے میلوں کی مسافت کو چشم زدن میں منٹوں میں طے کرنے کے لئے ریگستانی مسافت کے طے کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اونٹ بنا دیا ہے۔ سُورج دن میں مخلوق خدا کو روشنی پہنچانے کے لئے۔ رات کو چاند روشنی کے لئے۔ اگر وہ غروب ہو جائے۔ تو ستارے روشنی کے چراغ بنا دیئے ہیں۔

پھر سوچنے والا انسان سوچے گا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ نے جب سب پیدا شدہ چیزوں کو میری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو بالآخر میں بھی تو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ انسان کے اس سوال کا جواب فقط اللہ تعالےٰ ہی دے سکتا ہے۔ جس کی قدرت کاملہ نے اتنی منزلیں طے کرکے انسان کو بنایا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی کاریگر کسی مشین کو بناتا ہے تو اسی سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ آپ یہ مشین کس کام کے لئے بنا رہے ہیں۔ اسی قاعدہ کے ماتحت انسان پر لازم ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ سے دریافت کرے۔ کہ اے اللہ۔ تو فرما۔ کہ مجھے کس کام کے لئے دنیا میں پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اور وُہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ بایں ہمہ ہم نے جو بات اس سے دریافت کرنی ہوگی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعہ سے دریافت کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد

انسان اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضا

کے لحاظ سے مجبور ہوگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس کے سوال (کہ مجھے کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔) کے جواب میں جو ارشاد ہو اسی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے۔ اور اسی کو اپنی زندگی کا دستور العمل ٹھیرائے۔ حضور انورؐ کی طرف سے اس سوال کا جواب یہ ہے۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○) سورۃ الذاریٰت رکوع ۳ ۔ پ۲۷) ترجمہ: اور میں نے جن اور انسانوں کو جو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لئے۔

حاصل

اب وُہ مسلمان جس کے خیالات کی تفصیل گزشتہ سطور میں عرض کر چکا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل شدہ جواب کو اپنے طبعی اور فطرتی شوق سے اپنی زندگی کا نصب العین بنائے گا۔

الحمدللہ

اس خطبہ کا مجوزہ عنوان بھی یہی تھا۔ جس کا ثبوت دے چکا ہوں۔

عنوان عبدیت کی تفصیل کا مطالبہ

فطرت سلیمہ والا انسان جب اپنی زندگی کا نصب العین عبدیت (بندگی) بنالے گا۔ پھر وہ پیغمبر خداؐ سے سوال کرے گا۔ کہ مجھے عبدیت کا نظام الاوقات (پروگرام) تجویز فرما دیجئے۔ پھر پیغمبر خدا اسے اللہ تعالےٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید ہی سے اس کو جواب عطا فرمائیں گے۔ کہ عبدیت اصولاً تین قسموں میں محدود ہے۔ اعتقادی بدنی اور مالی

اعتقادی

کلمہ توحید کا تہ دل سے اقرار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کلمۂ توحید کا اجمالی اقرار دو قسم کی تفاصیل پر مبنی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات کے لحاظ سے وحدہٗ لا شریک لہٗ ماننا۔ (جن صفات کی تفصیل قرآن مجید میں مفصلاً مذکور ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا)

بدنی

بدنی عبادات میں نماز۔ روزہ اور حج آجاتے ہیں۔ (اگرچہ حج میں مالی قربانی بھی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ حاجی آمد و رفت کے مصارف رضاء الٰہی کی خاطر اپنی گرہ سے خرچ کرتا ہے۔ اور اگر مصارف آمد و رفت کے نہ ہوں۔ تو اس شخص پر حج فرض ہی نہیں ہے۔

مالی

اس میں زکوٰۃ آتی ہے جو فرض ہے نماز اور روزہ کی طرح زکوٰۃ ادا کرنا بھی اسلام میں اشد ضروری ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں ہی کو مرتد قرار دیا تھا۔ اور ان کے ساتھ جہاد کیا تھا۔

فرائض عینیہ کے بعد عبدیت کا

اجمالی نقشہ

(قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ) سورۃ الانعام۔ رکوع ۲۰۔ پ۸) ترجمہ: کہدو۔ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

حاصل

اپنی فطرت سلیمہ کی تحقیق سے پیغمبر کا اتباع کرنے والے انسان سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ ان فرائض عینیہ کے ادا کرنے کے بعد اپنی زندگی کے ہر کام میں یہ خیال کر لینا کہ اے اللہ یہ کام میں تیری رضا حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہوں تو اس نیت سے تمام ہر کام نیکی میں شمار ہو سکے گا۔ مثلاً اگر تو کھانا کھائے تو یہ نیت کرکہ اے اللہ اس لئے کھانا کھاتا ہوں۔ کہ تیری عبادت کی طاقت حاصل ہو۔ تو تیرا یہ کھانا بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ سوتے وقت یہ نیت کر۔ اے اللہ اس لئے سوتا ہوں کہ تیری عبادت میں طبیعت صاف ہو۔ غنودگی نہ ہونے پائے۔ سردی میں گرم کپڑے بنائے تو یہ نیت کرلے کہ سردی کی شدت میں نفس یہ بہانہ نہ بنائے۔ کہ میں گھر سے نکل کر نماز پڑھنے کے لئے کس طرح جا سکتا ہوں۔ اس سے کہا جائیگا کہ گرم کپڑوں کے پہننے سے سردی ہرگز نہیں ستائے گی لہٰذا بہرحال مسجد میں چل کر نماز ادا کر تو میرے یہ گرم کپڑے بھی نیکی میں شمار ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک قاعدہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ؛ ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ عملوں کا مدار نیتوں پر ہے۔ وہی کام اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کیا جائے۔ تو نیکی ہے۔ وُہی کام کسی بُرے ارادے سے کیا جائے تو گناہ ہو جائے گا۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ انسان کی زندگی کا ہر کام نیکی کے دائرہ میں آسکتا ہے۔ بشرطیکہ اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب ہو۔

اجتماعی زندگی میں بھی خدا تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری فطری تقاضا ہے

جب فطرت سلیمہ والا انسان اجتماعی زندگی میں قدم رکھے گا۔ تو اسے قدم قدم پر باہمی جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی نظر آئیں گی۔ ایک آدمی دوسرے سے اپنا حق لینے کے لئے لڑ رہا ہے۔ ایک خاندان دوسرے خاندان سے دست بگریباں ہے ایک قوم دوسری قوم سے بر سرپیکار ہے ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ملک پر فوج کشی کر رہا ہے۔ علی ہذا القیاس ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○) سورۃ الروم رکوع ۵ پارہ ۲۱۔ ترجمہ: خشکی اور

فساد پھیل گیا ہے۔ تاکہ انہیں اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ تاکہ وہ باز آ جائیں۔

اس جہان کا مالک فساد کو پسند نہیں کرتا

ارشاد ہے۔ (وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ) سورہ البقرہ۔ رکوع ۲۵ پ ۲ ترجمہ:۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فسادی قوم باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ قوم کی قوم کو ہلاک کر دیتا ہے۔

(اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝ فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝)

سورہ الفجر پ ۳۰ ۔ ترجمہ۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو نسل آدم سے ستونوں والے تھے۔ کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے پتھروں کو وادی میں تراشا تھا اور فرعون میخوں والوں کے ساتھ۔ ان سب نے ملک میں سرکشی کی۔ پھر انہوں نے بہت فساد پھیلایا۔ پھر ان پر تیرے رب نے عذاب کا کوڑا پھینکا۔

یہ ساری قومیں

اللہ تعالیٰ کے ملک میں فساد مچانے کے باعث مذکورۃ الصدر قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشہ میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا۔ بڑی بڑی شرارتیں کیں۔ اور ایسا سر اٹھایا۔ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں۔ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے۔ کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آخر جب ان کے کفر و تکبر اور جور و ستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا۔ دفعۃً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل

فساد بھی مٹ جائے اور بربادی بھی نہ ہو

ایک فطرت سلیمہ والا انسان مذکورۃ الصدر حالات کو دیکھ کر یہ چاہتا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی فسادات بھی ختم ہو جائیں اور قوم بھی برباد نہ ہو۔

ایسا حل فقط اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے

کیونکہ وہ سارے جہان کے انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کو تمام افراد تمام اقوام اور تمام عالم کے باشندوں سے یکساں شفقت ہے۔ اس لئے فطرت سلیمہ والا انسان پورے غور و خوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو تمام جھگڑوں کا بہترین حل فرما سکتا ہے۔

پیغمبر خدا کی ضرورت

جب ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ تو پھر اسے فطرتاً یہ چیز عقل میں آئے گی۔ کہ میں تو اس قابل ہی نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ جات سن سکوں۔ جو وہ انسانوں کے باہمی جھگڑوں کے مٹانے کے لئے فرمائے۔ لہذا میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ایسا آدمی واسطہ بن جائے جو اللہ تعالیٰ سے سنے اور مجھے پہنچائے۔ شریعت میں اسی شخص کو پیغمبر کہا جاتا ہے لہذا یہ چیز ثابت ہو گئی کہ ایک فطرت سلیمہ والا انسان اجتماعی زندگی میں بھی محسوس کرے گا۔ کہ مجھے پیغمبر خدا کی تابعداری ضروری کرنی چاہیئے۔

یہی مقصد تھا

برادران عزیز آپ کی خدمت میں یہی چیز پیش کرنی چاہتا تھا۔ کہ انبیاء علیہ السلام کی تابعداری خلاف فطرت ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ

کہ ان حضرات کی تابعداری کی جائے اور جو فطرتی تقاضے کی مخالفت کرے۔ اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ مخبوط الحواس ہے۔

تمام غلطیوں کے مٹانے کے لئے رب العالمین کے ارشادات طیبہ

۱

کوئی کسی کا مال ناحق نہ کھائے۔

(وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝) سورۃ البقرہ رکوع ۲۳ پ ۲ ۔

ترجمہ:۔ اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر مت کھاؤ۔ اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ۔ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اگر مالی معاملات

میں اس طریقے پر فیصلے کئے جائیں تو مال کے متعلقہ سب جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار

دولت و وجاہت نہیں۔ بلکہ فقط پرہیزگاری ہے۔ (یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝) سورہ الحجرات رکوع ۲ پ ۲۶۔ ترجمہ۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں۔ تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے۔ جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

۳۔ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں

(اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ) الایہ۔ سورہ الحجرات۔ رکوع ۱ پ ۲۶۔ ترجمہ بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۴۔ کوئی کسی سے ٹھٹھا نہ کرے۔

(یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ) الایہ سورہ الحجرات رکوع ۲۔ پ ۲۶۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

۵۔ کوئی کسی کو طعنہ نہ دے

(وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ) الایہ سورۃ الحجرات رکوع ۲۔ پ ۲۶۔ ترجمہ۔ اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔

۶۔ کوئی کسی کا تمسخر کے طور پر نام نہ رکھے

(وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ) سورۃ الحجرات رکوع ۲۔ پ ۲۶) ترجمہ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔

۷۔ کوئی کسی کے حال کی تفتیش نہ کرے۔

(وَلَا تَجَسَّسُوْا) سورۃ الحجرات رکوع ۲ پ ۲۶) ترجمہ۔ اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو۔

۸۔ کوئی کسی کے خلاف پس پشت پروپیگنڈا نہ کرے

(وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا) سورۃ الحجرات رکوع ۲ پ ۲۶۔ ترجمہ۔ اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے۔

آٹھ ہدایات پر عمل

اگر مذکورۃ الصدر آٹھ ہدایات پر انسان عمل کریں تو باہمی فتنوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اور دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو فطرت سلیم والے

انسان فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کا ذکر خیر قرآن مجید میں ہے۔ (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝) سورہ آل عمران رکوع ۲۰ پ ۴۔

ترجمہ۔ بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو سب عیبوں سے پاک ہے۔ سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے رب ہمارے جسے تو نے دوزخ میں داخل کیا۔ سو تو نے اُسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اے رب ہمارے ہم نے ایک پکارنے والے سے سُنا۔ جو ایمان لانے کو پکارتا تھا۔ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے رب ہمارے اب ہمارے گناہ بخش دے۔ اور ہم سے ہماری بُرائیاں دُور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ اے رب ہمارے اور ہمیں دے جو تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے وعدہ کیا ہے اور قیامت کے دن رسوا نہ کرو۔ بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

ارشادِ نبوی ؐ

ماں کے پیٹ سے ہر بچہ سلیم الفطرت ہی پیدا ہوتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ ترجمہ: ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں۔ یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

یعنی

پیدائشی طور پر ہر بچہ کا اپنے خالق کے ساتھ تعلق درست ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے خالق کی یاد سکھائی جائے تو دل سے مان لے گا۔ اسے اپنے خالق کے احکام کی تابعداری کے لئے کہا جائے تو مان لے گا۔ اور فقط اسی کو اپنا حاجت روا سمجھے گا کسی غیر کی طرف نہیں جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس تعلق باللہ کو وہ ہر لحاظ سے محبوب خیال کرے گا۔ مگر اس جہان میں آنے کے بعد جو پہلے بگڑی ہوئی ذہنیت کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا کر دوسروں کے دروازہ پر لے جاتے ہیں۔ پھر جو تعلق اس نے اپنی فطرت کے تقاضا کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے رکھنا تھا وہ غیروں کے ساتھ رکھنے لگ جاتا ہے۔ گویا کہ اس بچے کی ذہنیت بگاڑ دی جاتی ہے۔

ایک مثال

ذہنیت کے بگڑنے کی مثال ایسی ہے۔ جس طرح فطرتاً ہر بچہ اناج ہی کا کھانا پسند کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ بعض بچے مٹی کھانے لگ جاتے ہیں۔ انہیں کتنا بھی منع کیا جائے۔ مگر وہ اپنی بری عادت کی بنا پر ماں سے چوری مٹی کھاتے رہتے ہیں۔ جس طرح اس بچے نے اپنے فطری تقاضا کو کھو دیا ہے۔ اسی طرح انسان بعض اوقات اپنے خالق حقیقی کے تعلق کے فطری تقاضا کو کھو بیٹھتا ہے۔ اور اسے اس غلط راستے سے ہٹایا جائے تو ہٹانے والے ہادی سے دست بگریباں ہوتا ہے۔ اور قتل قتال تک اتر آتا ہے۔ لہذا مشرکین اور کفار غلطی سے غیر فطری راستہ پر چلتے اور ہادی (پیغمبر ہو یا اس کا نائب) سے لڑتے اور جھگڑتے رہے ہیں۔ اور آج کل بھی ایسے ہی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اللھم لا تجعلنا منھم و اھدنا الی صراط المستقیم۔

آمین یا الہ العالمین۔

مجلس ذکر

منعقدہ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۵۸ء

آج ذکر کے بعد مخدومنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے مندرجہ ذیل ارشادات گرامی سے ذاکرین کی روحانی تربیت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد آج کا عنوان ہے:۔

کون سا انسان سوہنا ہے

حُسن اور قُبح عربی میں دو لفظ ہیں۔ حُسن کے معنی ہیں خوبصورتی اور لفظ حُسین اسی سے ہے۔ جس کے معنی ہیں خوبصورت۔ حُسن کی ضد ہے قبح جس کے معنی ہیں بدصورتی اور اسی سے قبیح ہے۔ جس کے معنی ہیں بدصورت یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کاریگر نے جو چیز جس کام کے لئے بنائی ہے۔ وہ کام اس سے ہو جائے۔ تو حسین ورنہ قبیح۔ مثلاً وزیر آباد کے بعض چاقو ایسے نکمے ہوتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ قلم بنانے کے بعد بے کار ہو جاتے ہیں۔ یہ قبیح ہیں۔ ایک گھوڑا اگر بظاہر موٹا تازہ ہو۔ لیکن چلنے میں سُست ہو تو وہ قبیح ہے۔ بعض دُبلے پتلے گھوڑے تیز رفتار ہوتے ہیں۔ یہ حُسین ہیں۔

غرضیکہ ہر چیز کے حسن و قبح کا مدار اس کے بنانے والے کی غرض پہ ہے۔ اگر وہ غرض پوری ہو رہی ہے تو حُسین ورنہ قبیح۔ مثلاً بھینس دُودھ پینے کے لئے ہے۔ اگر بھینس بظاہر بڑی خوبصورت ہے۔ مگر دودھ نہیں دیتی تو وہ مالک کے لئے بالکل بے کار ہے۔ وہ حُسین نہیں۔ قبیح ہے۔

انسان کو بھی اپنے آپ کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیئے۔ اردو کی ایک ضرب المثل اس شعر میں بیان کی گئی ہے ؎

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سُرخ و سفید مٹی کی صورت ہوئی تو کیا

پنجابی میں بھی ایسی ہی ایک ضرب المثل ہے۔ کم پیارا ہُندا اے۔ چم پیارا نہیں ہُندا۔ (کام پیارا ہوتا ہے۔ جسم پیارا نہیں ہوتا) اگر صورت کے لحاظ سے ایک شخص بڑا خوبصورت ہو۔ لیکن اس کا کردار اچھا نہیں۔ محلے والے اس سے نالاں ہیں۔ تو وہ حقیقت میں بدصورت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے شخص کو لیجئے۔ جو خوبصورت نہیں۔ لیکن مرنجاں مرنج ہے۔ محلہ میں ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے۔ یہ شخص حقیقت میں حسین ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ اگر ماں باپ بناتے تو کوئی بے اولاد نہ ہوتا بعض غربت کی وجہ سے نہیں چاہتے۔ کہ ان کے اور اولاد ہو۔ پہلی اولاد کی تربیت کے لئے ان کے پاس وسائل نہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ ہر بچے کے بعد دیگرے بچے عطا فرماتے رہتے ہیں۔ بعض اولاد کو ترستے ہیں۔ سب پاپڑ بیلتے ہیں۔ مگر اولاد نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالےٰ ہی نے ہمیں بنایا ہے تو اس سے پوچھنا چاہیئے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥) سورۃ الذاریٰت رکوع نمبر ۳ پ ۲۷) ترجمہ:۔ اور میں نے جن اور انسانوں کو جو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لئے۔

انسان کی پیدائش کی غرض کسی اللہ والے نے فارسی کے ایک شعر میں یوں بیان کی ہے ؎

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

قرآن مجید بندگی کا پروگرام بتلاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا عملی نمونہ ہیں۔ الحمد للہ! قرآن مجید اور

حضورؐ کی سُنّت دونوں محفوظ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ تاکہ جو طریقے ہیں وہ اپنے آپ کو حضورؐ کے نقش قدم پر چلا سکیں۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ (رواہ فی الموطا) ترجمہ۔ حضرت مالک بن انس سے مُرسلاً روایت ہے۔ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان کو پکڑے رہوگے۔ گمراہ نہ ہوگے (وہ دو چیزیں ہیں) کتاب اللہ (قرآن مجید) اور اُس کے رسولؐ کی سُنّت (حدیث)

جو مسلمان نوجوان عبادت سے جی چُراتے ہیں۔ وہ اس جہان میں نہ ہی آتے تو بہتر تھا۔ میں ان کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ کاش! ان کی مائیں نہ ہی جنتیں۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں یہ بد صورت ہیں۔ حضرت بلالؓ حبشی نژاد تھے۔ اُن کا رنگ سیاہ اور ہونٹ موٹے تھے۔ بال گھونگریالے تھے۔ زلفیں نہ تھیں۔ ایک کافر کے غلام تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن عبدیت میں اُن کا بہُت اُونچا مقام تھا۔ وہ مسجدِ نبویؐ کے مؤذن تھے۔ مؤذنین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادؐ ہے۔ (عَنْ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رواہ مسلم)۔ ترجمہ:۔ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے۔ کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ کہ اذان دینے والے لوگ قیامت کے دن سب لوگوں سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔

حضرت بلالؓ مدینہ منوّرہ میں زندہ موجود تھے۔ لیکن وُہ اللہ تعالےٰ کو اتنے پیارے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کا زندہ فوٹو جنّت میں بنا کر رکھا ہُوا تھا۔ جس کو حضورؐ نے جنّت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ جس طرح آپ اپنے دوستوں کے فوٹو اُتروا کر رکھتے ہیں۔ اُسی طرح اللہ تعالےٰ نے دُوسرا بلالؓ بنا کر جنّت میں بنا کر رکھا ہُوا تھا۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو اللہ تعالےٰ کی نظر میں سوہنا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

اللہ تعالےٰ کے ہاں صورت یا کپڑوں کی خوبصورتی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جس غرض کے لئے اُس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اگر وُہ پوری ہو رہی ہے۔ تو ہم اُس کے ہاں خوبصورت ہیں۔ ورنہ بد صورت۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں سوہنا بننے کا طریقہ بھی ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں ع

بلے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

یہ قاعدہ کُلیہ ہے کہ انسان جس فن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اُس کی تدبیر فقط یہ ہے۔ کہ اُس فن کے کامل کی صُحبت میں مُدّت مدید تک اپنے آپ کو بٹھانے کے بعد یہ بھی درجۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ کامل کچھ زبانی ہدایات دیتا ہے اور کچھ اپنے عمل سے سکھاتا ہے۔ آپ میں سے کوئی بی اے۔ اور کوئی مولوی ہے۔ آپ کو یہ کمال اسی قاعدہ کے ماتحت حاصل ہُوا ہے۔ میں بھی اگر کسی بی اے۔ یا ایم اے کی صُورت میں بیٹھتا تو آج میں بھی بی اے۔ یا ایم اے ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ الاٰیۃ (سورۃ الکہف رکوع ۴ پ ۱۵)۔ (ترجمہ اور تو ان لوگوں کی صُحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اسی کی رضامندی چاہتے ہیں)

کسب معاش کے لئے آپ جو ذریعہ چاہیں تلاش کریں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کسب معاش سے فارغ ہونے کے بعد میرا مشورہ یہی ہے کہ اگر کوئی اللہ اللہ کرنے والی جماعت مل جائے تو اُس جماعت میں بیٹھیے۔ اگر جماعت نہ ملے اور ایسا کوئی شخص واحد مل جائے تو اُس کے پاس بیٹھیے ایسی جماعت اور شخص واحد کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اگر نہ جماعت اور نہ شخص واحد ملے تو پھر بہتر یہی ہے کہ گھر میں بیوی بچوں میں بیٹھئے۔ اِدھر اُدھر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ عربی میں کسی نے کہا ہے ؎

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا
سِوَى الْهَذَيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّ قَالٍ

ترجمہ۔ (لوگوں سے ملنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سوائے اس بیہودہ بکواس کے کہ فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا۔)

بعض لوگ دفتر سے آکر کھانا کھا کر کسی کی بیٹھک میں بیٹھ کر DISCUSS (بحث کرنا) کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے نوائے وقت نے یہ لکھا ہے۔ پاکستان ٹائمز نے یہ لکھا ہے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ تمہیں کیا؟ تم کلرک ہو۔ تمہیں

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاصلِ عُمر

از مولانا عبد الکریم صاحب نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان

کسی کی پاس گذریں چند گھڑیاں

بعد الحمد للہ والصلوٰۃ

زندگی کی شبِ تار میں چراغ عمل کی روشنی کسی کے صدقہ میں آئندہ کے لئے مل جائے تو لطفِ خداوندی سے بعید نہیں۔ ورنہ اب تک تو ع

ہمہ شب شراب خوردن ہمہ روز خواب کردن

خواب و خور ہی کا سلسلہ چل رہا ہے غفرانک ربنا۔ پھر رب کریم کے فضل عمیم سے چند ایسی گھڑیاں ضرور نصیب ہوئی ہیں۔ جو بعض اہل اللہ بالخصوص سیدنا حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے جمال جہان آرا کی زیارت میں گذریں وہی حاصل عمر ہیں اور اپنی دانست میں یہی دولت زادِ آخرت بننے کے قابل ہے اولٰئک القوم لا یشقی جلیسھم۔ مخبر صادق کا فرمان ہے ؂

شنیدم کہ در روز امید و بیم

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

کوئی باظرف سعادتمند ہوتا تو ان لمحات سعادت میں کیا کیا حاصل نہ کر لیتا۔ بلا مبالغہ

ع گل بدامن او دستہ بیبود ے

اپنی نالائقی کہ چھٹے دامن میں کوئی قابل ذکر پھول تو نہیں دکھلا سکتا۔ مگر غم ہلکا کرنے کے لئے چند کلمات طیبات جو اب بھی حضرت کے مخصوص مترنم آواز کے ساتھ سامعہ نواز ہیں۔ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

لفظی اغلاط اور معنوی کدورات سے قطع نظر فرما لیا جائے تو شائد غم جاناں میں آمیزش لذت کا سامان بن سکیں۔

(۱) زیارت کا سب سے پہلا موقعہ جالندھر ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء میں ملا تھا۔ حضرت اقدس رات کی کسی گاڑی سے تشریف لائے تھے۔ جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر قیام فرما تھے۔ صبح کی نماز حضرت شیخ رح کی امامت میں نصیب ہوئی۔ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت نے اتباع سنت میں الم تنزیل

اُنہیں کی یاد میری زندگی ہے

اور سورۃ الدھر ہی سے نماز پڑھائی۔ اور خوب استفادہ میں نماز کے بعد حضرت الاستاد مدظلہ نے درس قرآن کی خواہش کی۔ حضرت نے آیت وقال ربکم ادعونی استجب لکم کی تلاوت فرمائی۔ اور دیر تک اس کے متعلق ارشاد فرماتے رہے۔ دوران تقریر میں اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت نے ان بیباک سیاست پرستوں پر تنقید فرمائی۔ جو صوم صلوٰۃ اور دیگر احکام شرعیہ سے لا پرواہی کرتے ہوئے اپنے آپ کو مجاہدین سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو صرف نماز روزہ اور ورود و تسبیح پر اکتفا کرتے ہوئے خانقاہ نشینی اختیار کر بیٹھے ہیں۔ اور مسلمانانِ عالم پر دشمنوں کی طرف سے جو مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کے خلاف جنگ و دو کو ضروری نہیں سمجھتے۔

یاد ہے کہ آخری فقروں کی ابتدا کرتے وقت سیدی المحترم حضرت الاستاد مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ جو حضرت کے پس پشت تشریف فرما تھے کچھ مسکرائے۔

نماز کے بعد جامع مسجد میں حضرت کا خطاب رکھا گیا تھا۔ آپ نے تقریر سے پہلے ایک طویل خط پڑھا۔ کسی عقلمند نے لکھا تھا۔ حضرت آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔ اگر آپ یہاں صرف دین کے احکام فرائض، واجبات وغیرہ بیان فرما دینگے تو ہم آپ کی شایانِ شان عزت کرینگے اور اگر آپ نے خواہ مخواہ سیاسیات میں دخل دیا تو آپ کی بے عزتی ہو جائے گی۔ وغیر ذالک۔ حضرت نے وہ خط من و عن تمام حاضرین کو سنا کر ارشاد فرمایا۔

میرے بزرگو میں آپ حضرات کے حکم سے باہر نہیں ہوں۔ میں دینی احکام ہی عرض کروں گا۔ فرائض اور واجبات ہی آپ کو یاد دلاؤں گا۔ مگر انگریز کا نکالنا اور اس کے محارب جماعتوں سے پورا تعاون کرنا بھی تو دین ہی کا ایک فرض ہے۔

اس لئے فرائض کے سلسلہ میں آپ کے حکم کے مطابق یہ فرض بھی بیان کیا جائیگا

آپ فرماتے ہیں کہ میری بے عزتی ہو جائے گی۔ کیا سلف صالحین میں بہت سے لوگوں کو محض دین کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچی۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر نہیں پھینکے گئے۔ پھر حسین احمد کون ہے۔ جس کی بے عزتی نہیں ہونی چاہیئے۔

حضرت کی اس تقریر پر جامع مسجد میں بارہا شور ہوا۔ شور زیادہ ہو جاتا تو حضرت خاموش ہو جاتے۔ جبین مبارک کے پُر ہیبت سکون کی چمک اب بھی نظروں میں ہے۔ ایک بار شور کچھ دیر تک ختم نہیں ہوا تو ایک حافظ صاحب تلاوت کرنے اُٹھے۔ قاری نے انتخاب آیات میں غضب کیا۔ تعوذ اور بسملہ پڑھ کر جب یہ آیتیں شروع کیں۔

و اذ قال موسیٰ لقومہ یقوم لم تؤذوننی وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم تو مجمع بالخصوص علماء کی چیخیں نکلیں۔ خوب یاد ہے کہ حضرت استاذی المکرم حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب جالندھری حال منٹگمری دل کھول کر روئے۔ بار بار کے شور نے حضرت کے استقلال پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ اور رات کو ایک جلسہ عام میں پھر حضرت کا خطاب ہوا۔ تقریباً پچیس تیس ہزار کی حاضری تھی۔ رات کے اجلاس میں کوئی شور نہیں ہوا۔ اس تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے۔ بہر حال انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا میرے نزدیک ایک مذہبی فریضہ ہے۔

(۲) دوسری بار ۱۹۵۸ء میں رحمت خداوندی نے دستگیری کی اور دورہ حدیث شریف پڑھنے کے ارادہ سے دارالعلوم حاضری کی توفیق ملی۔ اس دوران میں خوش نصیب حضرات کیا کچھ غنیمت میں نہیں لے جاتے مگر اپنا تو صرف شرف زیارت ہی نقد وقت ہے۔ اس حاضری کے بھی دو چار واقعات عرض ہیں۔ اسی سال لکھنؤ میں مدح صحابہ کے سلسلہ میں سول نافرمانی کی تحریک آپ کی قیادت میں چلی اور حق تعالےٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ واپسی پر دیوبند کے اسٹیشن پر ہزاروں طلبہ اور شہریوں نے استقبال کیا۔ تو حضرت کو بہت ہی ناگوار گذرا۔ رات کے جلسہ عام میں استقبال پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اگر آپ نے یہ استقبال کسی دینی جذبہ کے ماتحت کیا ہے تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان

دیوانوں کا استقبال نہیں کیا گیا۔ جنھوں نے
جیل جانے کی تکلیفیں برداشت کیں۔ میں
تو جیل بھی نہیں گیا۔ اچھا فرض کرو۔ مجھ
سے اللہ تعالیٰ نے کچھ کام لیا بھی تو کیا
آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے اس استقبال
اور نعروں سے میرے دل میں عُجب و
غرور پیدا ہو کر سارا عمل حبط ہو جائے
پھر تو آپ میرے بڑے دشمن ٹھیرے۔
مولانا عبدالشکور صاحب جو غالباً
اس وقت جامع مسجد دیوبند کے خطیب
تھے۔ انھوں نے جوابی تقریر میں فرمایا۔
حضرتؒ کی ناراضگی سمجھ میں نہیں آئی۔
ہم نے کوئی ناجائز کام تو کیا نہیں۔
کیا انصار مدینہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا استقبال نہیں کیا تھا۔
حضرتؒ نے بیٹھے بیٹھے۔ ذرا اوپر کو دیکھا
اور فرمایا۔ بھائی حضورؐ معصوم تھے۔ وہاں
عجب پیدا ہونے کا احتمال کہاں تھا۔ آپ
قیاس مع الفارق کر رہے ہیں۔ اسی
تقریر میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ سیاسی لوگ
اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ ایک فرقہ وارانہ
جھگڑا ہے۔ ایک قومی لیڈر اس میں کیوں
اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ فرمایا کیا وہ
نہیں جانتے کہ میں خان برادران کی
طرح کانگریسی نہیں ہوں۔ مذہب پر حرف
آئے گا تو حسین احمد سب سے پہلے
جائے گا۔

ہمارے ایک شریک کمرہ رفیق شفیق
مولانا عبدالشکور صاحب بنارسی کئی سال
دارالعلوم میں رہنے کے بعد تعلیم سے فارغ
ہو کر رخصت ہو رہے تھے۔ حضرت اقدسؒ
کی خدمت میں ایک تحریری درخواست
پیش کی کہ حضرت کوئی خصوصی نصیحت
فرمائیں۔ حضرتؒ نے اپنے قلم سے ذیل
کے دو شعر تحریر فرمائے ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

ایک دفعہ مسجد دارالعلوم میں بعد العصر
خطاب فرمایا۔ دوران تقریر میں فرمایا۔ آج
کھدر پہننا ثواب ہے اور اس کے ثبوت
میں آیت ذالک بانھم لا یصیبھم ظمأ
ولا نصب ولا مخمصۃ فی سبیل اللہ
ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار الخ سے
استدلال فرمایا۔ آخر میں فرمایا۔ ہمارا اور حضرت
تھانوی مدظلہ کا اختلاف تو اجتہادی ہونے
کی وجہ سے اس کی نوعیت حضرت امام ابوحنیفہؒ
اور حضرت امام شافعیؒ کے اختلاف کی ہے
حضرت تھانوی مدظلہ کو حضرت امام شافعیؒ
کے قائم مقام سمجھئے اور میں حضرت شیخ الہندؒ
کا مقلد ہوں۔ حد ہے قدر شناسی اور تواضع
کی۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۷ر شعبان ۱۳۵۸ھ بعد المغرب کی یادگار

لمحہ حیات کیا عجب باعث نجات ہو جائے
بخاری شریف ختم ہو رہی ہے۔ چہرہ انور
کی تابانی رشک ماہتاب ہے۔ دارالحدیث
اپنے تمام برآمدوں کے ساتھ کھچا کھچ
بھرا ہوا ہے۔ آخری حدیث پر پہنچ کر
شیخ کھڑے ہو گئے اور اپنے مخصوص لہجہ
میں فرمایا۔ کیا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
تشریف لائے ہیں۔
برآمدہ میں سے ایک سریلی آواز آئی
حضرت حاضر ہوں۔ ارشاد ہوا تشریف لایئے
علامہ عثمانیؒ شیخ کے پہلو میں آ کر
بیٹھ گئے۔ شیخؒ نے کتاب ان کے سامنے
کرتے ہوئے فرمایا۔ حضرت ختم کرایئے۔
مولانا عثمانیؒ نے نہایت ادب سے معذرت
کرتے ہوئے کتاب شیخ ہی کے سامنے کر
دی اور حضرت برد اللہ مضجعہ نے آخری حدیث
کلمتان خفیفتان علی اللسان الخ کو
اپنے مخصوص مترنم لہجہ میں تمام حرکات
کو حسب عادت معروف اور ظاہر کرتے
ہوئے پڑھا۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ
کی نصیحت آمیز تقریر کے بعد حضرت
قدس اللہ سرہ العزیز نے طلبہ کو اپنے
نصائح طیبہ سے نوازا۔ ارشاد فرمایا۔
"تم لوگ مدتوں تکلیف اٹھاتے ہو
زمین پر سوتے ہو۔ سوکھی روٹی کھاتے ہو
سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہو۔
تاکہ دین سیکھو۔ لیکن یہاں سے فارغ
ہو کر سوکھی روٹی پر صبر نہیں کر سکتے
کوئی تو تم میں سے جا کر قارورہ دیکھنے
لگ جاتا ہے۔ اور کوئی مولوی پاگل کا
امتحان دے کر فرعون و قارون کی جانشینی
کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔"
ختم بخاری شریف پر طلبہ کے بیسیوں
سے زیادہ لائے ہوئے پانی کے برتنوں
میں مسند سے اتر کر حضرت نے دم فرمایا
اور اس رومال شریف کی زیارت کرائی
جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص
مبارک سے تلبس کا فخر حاصل ہے۔ خود
حضرت کھڑے رہے اور حاضرین میں سے
ایک ایک کو زیارت کراتے رہے۔

اچھی طرح یاد ہے کہ سب سے پہلے
حضرت شیخؒ اور مولانا عثمانیؒ نے زیارت
کی۔ حضرت عثمانیؒ نے تو کھڑے ہو کر زیارت
کی اور رومال کو چوما۔ اور حضرتؒ نے
غالباً بیٹھے بیٹھے سر آنکھوں پر رکھا۔
یا اللہ اس لمحہ طیبہ کے صدقہ میں سب
کچھ معاف فرما دے۔

(۳) تیسری بار شرف زیارت کا موقعہ
غالباً سنہ ۴۵ء میں ملا۔ حضرت اقدس ڈیرہ
اسمٰعیل خاں ایک دن کے لئے تشریف لائے
تھے۔ علما سے ایک خاص خطاب بھی فرمایا
تھا۔ جمعہ کی نماز حضرتؒ ہی نے پڑھائی۔
جس کے بعد حدیث ارحموا من فی الارض
یرحمکم من فی السماء پر ارشاد فرمایا
رات کو ایک جلسہ عام میں خطاب فرمایا۔
ان مجالس سعادت کے ارشادات سے افسوس
ہے کہ کچھ یاد نہیں رکھ سکا۔ صبح واپس
تشریف لے جا رہے تھے۔ ہجوم اتنا زیادہ
تھا کہ کمرہ سے نکل کر کار میں بیٹھنے کے
لئے راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ شاہ بخاری
مدظلہ کمرہ سے نکلے تو گرج کر فرمایا۔
راستہ چھوڑ دو۔ ورنہ ہم ڈنڈا چلائیں گے
حضرت کار میں بیٹھنے لگے تو امیر شریعت
نے اپنے معروف ساحرانہ انداز میں یہ
شعر پڑھا ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

لفظ ساقی پر شاہ صاحب نے حضرت کی
طرف اشارہ کیا تو سبھوں کے آنسو گرا ہی دیئے
احقر نے اس موقعہ پر ایک چاقو خدمت
اقدس میں پیش کیا تھا۔ جس کے لوہے پر
دونوں طرف سے یہ دو مصرعے نقش تھے ؎

دشمنت بادا قلم از تیغ تو
دوستت اسعد ز لطف نیک تو

حضرت نے بکمال لطف شرف قبولیت
سے نوازا۔ اور چشمان مبارک سے عینک
کو اٹھاتے ہوئے منقش مصرعے پڑھے۔
اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

(۴) زیارت کا چوتھا موقعہ اس وقت
نصیب ہوا جبکہ متحدہ ہندوستان کے آخری
الیکشن میں حضرت اقدسؒ نے ہندوستان
بھر کا دورہ فرمایا تھا۔ اس ناکارہ
کے زادبوم کلاچی کو بھی یہ شرف حاصل
ہے کہ اس موقعہ پر اس شہر نے بھی
اس ولی برحق کے قدم چومے اور کتب خانہ
نجم المعارف کو بجا طور پر ناز ہے۔ کہ
جانشین امام المرسلین نے اس میں ایک

گنگشہ تک تخلیہ فرمایا اور وہیں بیعت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ؎

وُہ ایک بار ادھر سے گئے مگر ابتک
ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

عاشقین کا ہجوم حد سے بڑھ رہا تھا۔ حضرت کو اسی دن مختلف مقامات پر خطاب فرما کر بنوں پہنچنا تھا۔ صدر جمعیۃ مولانا گلُ بادشاہ صاحب چیخ رہے تھے کہ حضرت بہت دیر ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا۔

اور یہ قاضی صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ چائے پی لیں۔

مولانا گلُ بادشاہ :۔ حضرت یہ چیزیں قیامگاہ پر لے جائیں گے۔ وہی لوگ مجلس چائے کے لئے بے چینی سے منتظر ہیں۔

حضرت اقدس :۔ بھائی یہ ٹھیک تھوڑا ہے کہ لے جائیں گے۔ یہ تو اباحت ہے۔ کھانا ہے تو صرف یہاں ہی کھا سکتے ہو۔

اللہ اللہ کلاچی میں وہ دن شیخ کے ورود مسعود کی اطلاع پر الجان معصوم بچے بھی خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ پردہ نشین خواتین گھروں میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہی تھیں کہ آج کلاچی میں مدنی صاحبؒ آ رہے ہیں۔ ایک دوست نے جلسہ عام میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا۔

قدر کر ووٹ کی مسلم کہ تیرے ووٹ کی خاطر
حسین احمد محمد مصطفٰےؐ کے جانشیں آئے

احقر کو شعر گوئی سے کوئی مناسبت نہیں۔ مگر اس وقت بلا اعتبار وزن دو چار شعروں کی تُک بندی ہو گئی تھی۔ جو حضرتؒ کے سامنے پڑھے گئے اور وُہ یہ تھے ؎

اے تو شیخ الہند محمودُ الحسن کے جانشیں
مرحبا و مرحبا اے رہبرِ دینِ متیں
حضرتِ قاسم کو ہوگا ناز تیری ذات پر
شیخ گنگوہی کو مرقد پاک میں زیرِ زمیں
پہنچے گا جب حال تیرا سیّدِ کونین کو
وہ بھی فرمائیں گے ہنس کر اے مجاہد آفریں

رفیق محترم مولانا احمد علی شاہ صاحب حال مدرس مدرسہ عیسٰی خیل نے ان اشعار کو پسند فرما کر لکھ لیا تھا اور غالباً حضرت مولانا نافع گلُ صاحب مدظلہٗ کے اشارہ سے قیامگاہ پر پہنچ کر حضرت اقدس نے جب مجلس چائے نوشی میں شرکت فرمائی تو کیک بسکٹ وغیرہ مختلف چیزوں کے ساتھ گھر کا پکا ہوا پراٹھا بھی موجود تھا۔ جدید فیشن کی صورت... حضرتؒ نے مولانا نافع گل صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

مولانا ہم تو یہ کھائیں گے یہ خالص کھدر ہے۔

بنوں جانے کا پروگرام جب پوچھا گیا کہ حضرت کس راستہ سے جانا ہوگا تو صدر جمعیۃ علماءِ سرحد مولانا سید گل بادشاہ صاحب کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

شیخ نے جسے لفظِ دوست کہہ کر نوازا ہو اُسے کیوں نہ اپنی قسمت پر ناز ہو۔ ع

هنيئًا لارباب النعيم نعيمها

ایک دوست کی جانب سے صدر جمعیۃ نے عرض کیا۔ حضرت ان کی خواہش ہے کہ ان کو کوئی ایسا وظیفہ یا تعویذ دیں جو دشمنوں پر کامیابی کے لئے تیر بہدف ہو۔ شیخ نے ارشاد فرمایا۔ اس کا مجرب وظیفہ یہ ہے کہ غیرت کریں۔ اللہ تعالےٰ امداد فرماویں گے۔ اسی طرح دارالعلوم میں بھی کسی امتحان کے موقعہ پر بعض طلبہ نے درخواست پیش کی کہ حضرت امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے کوئی تعویذ یا وظیفہ ہو تو ارشاد فرمایا جاوے۔

شیخ نے چمکتے ہوئے جبینِ مبین سے فرمایا۔ ہاں بھائی اس کا مجرب تعویذ یہ ہے کہ محنت کرو۔ کامیاب رہوگے۔ اور بعد میں سورہ نون بھی پڑھنے کے لئے بتلائی۔

۵۔ لطفِ ربّانی نے توفیق بخشی۔ کہ تقسیم سے ایک سال قبل پھر دیوبند دربارِ مدنی پر حاضری نصیب ہوئی۔ حضرت سفر پر تھے۔ ۱۴ دن تک خاکِ دَر آنکھوں کا سُرمہ بنتی رہی۔ تشریف آوری کے بعد صرف دو تین دن تک قسمت نے یاوری کی۔ یہی آخری زیارت ثابت ہوئی ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گلُ سیر ندیدیم بہار آخر شد

اس حاضری کا مخصوص اثر یہ پایا کہ علی رغم النفس والعادۃ۔ چھوٹوں کے سامنے خود ہاتھ سے کام کرنے۔ لوٹا بھرنے۔ چارپائی اُٹھانے وغیرہ میں عجیب لذت محسوس ہونے لگی۔ عمل الید کو فخر سمجھنے لگا اور دُوسروں سے خدمت لینے میں ذِلّت تصوّر کرنے لگا۔ یہ حضرت کے جوشِ عمل کا پرتو تھا۔ مگر افسوس کہ ظرف کی کوتاہی سے یہ اثر دیرپا ثابت نہ ہُوا۔ اور ذنوب و آثام کی آندھیوں نے وہ مبارک نقوش جلدی میں مٹا دیئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اسی دَوران میں ایک وقت حضرتؒ مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ کھانا آ رہا تھا۔ حضرتؒ حسب عادت کھانے میں مہمانوں کے ساتھ ہی شریک رہتے۔ آپؒ کی تشریف آوری پر ہم لوگ ادباً کھڑے ہوئے تو حضرت نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سختی سے فرمایا۔ یہ کیا ہے۔ بیٹھ جایئے۔ ہم لوگوں نے کچھ تامل کیا تو ارشاد ہُوا۔ جب تک آپ نہیں بیٹھیں گے۔ میں کھڑا ہی رہوں گا۔ چنانچہ ہم بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے جا کر خود ہاتھ دھوئے۔ کسی سے پانی نہیں ڈلوایا۔ اور پھر مجلس میں تشریف لا کر جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے اور کھانا کھلایا اور کھایا۔ فرحمہ اللہ من شیخ فانٍ فی اتباع سنۃ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک دفعہ صُبح کی چائے پلا کر اندر تشریف لے جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ تبلیغی جماعت کے بہت سے دوست مجلس سعادت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے چائے تیار کرنے کا حُکم دیا اور دیر تک ان کے ساتھ تشریف فرما رہے انہوں نے اپنے امیر کا تعارف کرایا تو مسکرا کر فرمایا۔ اچھا آپ ہیں ان کے قائد اعظم۔ گنتی کے یہ چند ارشادات گرامیہ لوحِ دل پر نقش تھے۔ سانحۂ وصال پر انہیں محض تسکین قلب کے لئے قید کتابت میں لے آیا۔ خدام الدین مدنی نمبر کا اعلان ہُوا تو چاہا کہ حضرتؒ کے دوسرے متوسلین کے زخموں پر بھی کیوں نہ نمک پاشی کر دوں۔ ملفوظات طیبہ کے مخطوط الفاظ اچھی طرح ذہن نشین ہیں۔ مضمون کا حاصل بھی یاد ہے۔ البتہ عبارت میں تبدیلی کا نہ صرف امکان بلکہ گمان بھی ہے۔ استقامت اتباع سُنّت ظرافت شفقت اور دینی مصابرت سکھانے والے ان دُرِ گرانمایہ سے خدا کرے ناظرین کرام عبارت کے قبلئے نازیبا اور کچھ غیر ضروری طول کے باعث محروم نہ رہ جائیں۔ زندگی کے یہ لمحات سعادت بے بدل ہیں۔ افسوس کہ وقت پر انکی قدر نہ کی۔ اب بجز حسرت و افسوس کے کیا ہو سکتا ہے ؎ اب تو کوئی بندۂ خدا خاک پاک کو یہ پیغام پہنچا دیتا کہ

اے خاک پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دیں تاج فرقِ ماست کہ در بر گرفتۂ

اور کوئی صاحب باطن حضرت کی روحانیت کو سلام مسنون کے بعد ان رد سیاہوں کا یہ پیام بھی عرض کر دیتا کہ

خوش می پری بلند فراموش مباد
از حال ما کہ خستہ پریم و شکستہ بال

بسلسلۂ سانحۂ ارتحال شیخ العرب و العجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی سابق صدر اعلیٰ دار العلوم دیوبند (انڈیا)

(از جناب کلیم سیمابی گوالیاری اکاڑہ ضلع منٹگمری)

عجب منظر ہو نظر آ رہا ہے
جدھر دیکھئے ابرِ غم چھا رہا ہے
نظامِ جہاں آج تھرّا رہا ہے

ہر انسان یوں ہے پریشان خاطر
اندھیرے میں جس طرح بھٹکے مسافر

نہ جانے مری رُوح کیوں تھرتھرائی
زباں کس لئے خود بخود لڑکھڑائی
الٰہی کہاں سے یہ آواز آئی

کہ مدنی ہوئے آج رخصت جہاں سے
زمیں پر یہ ٹوٹا ستم آسماں سے

کلیم آج ہر بزم بزمِ عزا ہے
جدھر دیکھئے شور آہ و بکا ہے
زمیں رو رہی ہے فلک رو رہا ہے

یہ کیسی قیامت بپا ہو رہی ہے
یہ کیا چیز ہم سے جدا ہو رہی ہے

کہیں بیکسوں کا مددگار مدنیؒ
کہیں دردمندوں کا غمخوار مدنیؒ
غرض عشقِ ملّت میں سرشار مدنیؒ

حق آگاہ و حق بین و حق آشنا تھا
تو ہی کشتئ قوم کا ناخدا تھا

سبق تو نے انسانیت کا پڑھایا
محبّت سے دشمن کو اپنا بنایا
جو گمراہ تھے اُن کو رستہ بتایا

مُسلّم تھی بھارت میں عظمت ہماری
تری موت ثابت ہوئی زخم کاری

تو ہی تھا سیاست کا مہرِ درخشاں
شناسائے ہر موج و نبّاضِ طوفاں
مُکمّل ہوئی تجھ سے تاریخ انساں

ترے دم سے مُشکل نہ تھی کوئی مشکل
تو ہر ایک منزل کا تھا خضرِ منزل

فلسطین ، برما ، عرب ، مصر ، بھارت
کُشادہ کیا سب پہ بابِ شریعت
ملی ہم کو دولت یہ تیری بدولت

ترا نام روشن رہے گا ابد تک
جہاں تجھ کو شارع کہے گا ابد تک

سفر دارِ فانی سے کرتے ہیں لیکن
رہِ زندگی سے گزرتے ہیں لیکن
یہاں لوگ تو روز مرتے ہیں لیکن

تری موت پر موت بھی رو رہی ہے
مشیّت کی بھی آنکھ نم ہو رہی ہے

کلیم اب دعا پر کرو ختم ماتم
محبت کا ہر وقت بھرتے رہو دم
رہیں مُلک میں مُتّحد ہو کے یوں ہم
کہ جس طرح رہتی ہے پھولوں میں خوشبو
الٰہی مٹا دے دلوں سے من و تو

حضرت شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات

حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی

آہ! کیوں کر کہئے کہ فلک علم و فضل کا آفتاب درخشندہ غروب ہو گیا۔ بزم انس و قدس کی شمع فروزاں گل ہو گئی۔ درج تقوےٰ و طہارت کا لعل شب چراغ گم ہو گیا۔ شریعت و طریقت کے اسرار و رموز کا محرم جاتا رہا۔ اخلاق و مکارم اسلامی کے ایوان میں خاک اُڑنے لگی۔ جو کل تک لاکھوں انسانوں کے لیے طبیب عیسیٰ نفس تھا۔ خود وہ موت کی آغوش میں جا سویا۔ ملت بیضا کا سہارا فرزندان توحید کی امیدوں کا مرجع ما پیروان دین محمدی کی تمناؤں کا مرکز راہی ملک عدم ہو گیا۔ یعنی حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے ۵ ردسمبر کو بمقام دیوبند سہ پہر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ط

حضرت مولانا رح کی وفات ایک فرد، ایک شخص اور ایک انسان کی موت نہیں ہے۔ بلکہ ایک خاص دور ایک عہد اور حیات ملی کے صحیفہ کے ایک باب کا اختتام ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رح اور حضرت شیخ الہند رح نے اپنے مقدس ہاتھوں سے جو چمن لگایا تھا۔ مولانا اس چمن کی آخری بہار تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ رح اور مولانا نانوتوی رح نے شریعت و طریقت علم و عمل اور تقدس و طہارت کی جو بزم سجائی تھی۔ اجل کی بادِ صرصر اُس کے چراغ بجھاتی رہی مگر ساتھ ہی چراغ سے چراغ بھی روشن ہوتے رہے۔ اور بزم کبھی تاریک نہیں ہوئی۔ لیکن اب اس بزم کا آخری چراغ بجھ گیا۔ روشنی کی جگہ ظلمت نے لے لی۔ تاریکی چھا گئی اور بزم کی بساط الٹ گئی۔

اسلام میں اعلےٰ اور مکمل زندگی کا تصور یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے ساتھ فکر و نظر کی بلندی اور جہد و عمل میں پختگی اور ہمہ گیری ہو۔ اور یہ سب کچھ تعلق باللہ کے واسطہ سے ہو۔ مولانا اس دور میں اس معیار پر جس طرح پُورے اُترتے تھے۔ ہند و پاک تو کیا۔ پُورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ علم و فضل کا یہ عالم کہ اسرار و غوامض شریعت و طریقت ہر وقت ذہن میں مستحضر۔ کسی سائل نے کوئی مسئلہ پوچھا نہیں کہ معلومات کا سمندر اُبلنے لگا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات کی طرح حضرت مولانا رح کے مکتوبات جو کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں اور جو سب کے سب بے ساختہ اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں۔ علم و فضل اور حکمت ربانی کا گنجینہ ہیں۔ علوم شریعت و تصوف کے علاوہ تاریخ جغرافیہ اور سیاسیات کا خاص ذوق اور ان کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ بین الاقوامی سیاسیات حاضرہ اور علی الخصوص مشرق وسطیٰ اور ممالک عربیہ کی سیاسیات پر بڑی گہری اور مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے اور اس پر برابر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ گزشتہ سال کلکتہ میں ناگا قبائل کا تذکرہ آ گیا۔ تو مولانا رح نے ان قبائل کی تاریخ اور ان کی جغرافیائی پوزیشن پر اس قدر عالمانہ اور مبصرانہ تقریر کی کہ سننے والے حیران رہ گئے۔ عربی زبان خالص عربی لب و لہجہ میں بولتے۔ اور گھنٹوں اس میں برجستہ تقریر کر سکتے تھے۔ ترکی زبان سے واقف اور مگدھی زبان سے آشنا تھے۔ اس زبان کے بعض گیت اور اشعار یاد تھے۔ سلوک و معرفت میں یہ حال تھا کہ لاکھوں مسلمانوں نے تجلیہ باطن کا فیض حاصل کیا اور روحانی مقامات طے کئے۔ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رح نے ایک مرتبہ عالم جذب میں مولوی ظہیر الحسن ایم اے کاندھلوی مرحوم سے خود ان کے مکان پر فرمایا کہ میاں ظہیر! لوگوں نے مولینا حسین احمد رح کو پہچانا نہیں۔ خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ کہ اگر وہ اس طاقت سے کام لے کر انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا چاہیں تو نکال سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے۔ اس لئے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اور اس غرض کے لئے ان کو وہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اس دنیا میں برتے جاتے ہیں۔

جہد و عمل کے میدان میں مولانا رح کی زندگی سر تا پا ارباب عزیمت کی زندگی تھی۔ مالٹا کی اسارت سے لے کر ملک کی آزادی کے حصول تک یہ زندگی جو ورع تقدس کی مکمل آئینہ دار تھی۔ ہمیشہ دار و رسن کے خطرات سے کھیلتی رہی مصائب و آلام اور شدائد و محن کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے مکتب خیال کے ایک فرد فرید ہونے کی حیثیت سے اپنے مرشد حضرت شیخ الہند رح کے ساتھ مولانا رح نے حریت و استخلاص وطن کی راہ میں دار و رسن کو اس وقت لبیک کہا۔ جبکہ ابھی کانگرس کی زبان کامل آزادی کے لفظ سے آشنا بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس راہ میں طوفان آئے۔ زلزلے آئے۔ بجلیاں کوندیں۔ بگولے اُٹھے۔ کوہ آتش فشاں پھٹ پڑے۔ لیکن یہ مردِ حق آگاہ حق پرست اپنے مقام پر کھڑا رہا اور اس کے پائے ثبات و استقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی۔ سیاسیات میں اس درجہ عملی انہماک و توغل کے باوصف جس کا مقصد وحید بھی دین قیم کا احیا اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ ظواہر شریعت میں تقشف اور سخت گیری کا یہ عالم تھا کہ اُس مجلس نکاح میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔ جس میں عام رسم و رواج کے مطابق دھوم دھڑکا۔ شاندار دعوت۔ مسرفانہ رسوم۔ اور مہر حضرت فاطمہ رض سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہو۔ اگر حسن ظن کی بنا پر کسی ایسی مجلس میں شریک ہو بھی گئے تو جونہی کوئی ایسی بات علم میں آئی فوراً سخت غیظ و غضب کے ساتھ مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے۔

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

غازی انور صابری

مُرشدِ کامل

سنہ ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا و مقتدانا شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ العزیز پر جیل میں چند بد قسمت اور دل کے اندھے انسانوں کے سنگین مظالم اور حضرت اقدسؒ کے ساتھ گستاخانہ سلوک کی شہرت نے اقصائے عالم میں ایک آگ لگا دی۔ اس وقت غلامانِ حسین احمدؒ کے قلوب میں غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حضرت شیخؒ کے چند جان نثار فدائیوں نے "آفتاب ہدایت" کے نام سے ایک رسالہ نکالا۔ جس میں حضرت شیخؒ کے مختصر سوانح اور دنیائے اسلام کے مایۂ ناز بلند پایہ علماء و شعرا کے دلی جذبات اور خراج عقیدت کو جمع کر دیا گیا تھا۔ اس رسالہ نادرہ میں حضرت علامہ انور صابری کے دلی جذبات اور حقیقت افروز خیالات مرشدِ کامل کے عنوان سے شائع ہوئے تھے جو قارئین "خدام الدین" کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ (مولانا) سمیع الحق (صاحب) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔

اے کہ تیرا مصحفِ رُخ مرکزِ انوار ہے
جانتا ہوں عرشِ عرفاں کا مہِ کامل ہے تو

تیری چشمِ مست جامِ بادۂ توحید ہے
جس کا متوالا ہے اِک عالم وہ صاحبدل ہے تو

فی الحقیقت تو فنا فی العشق کی منزل میں ہے
صوفیٔ حق آشنا اللہ سے واصل ہے تو

جو ترا ارشاد ہے اللہ کا فرمان ہے
نائبِ ختمِ رُسل قرآن کا حامل ہے تو

سالکِ راہِ خدا ہے خضرِ راہِ معرفت
مظہرِ حق، رہبرِ رہرو منزل ہے تو

سخت حیرانم کہ در دُنیائے عرفاں چیستی؟
نیستی پیغمبرے لاکن ندانم کیستی؟

در حقیقت علم و عرفانِ خدا اک ساز ہے
اور تو اِس ساز کی کیف آفریں آواز ہے

راہرو اس راہ میں ہیں اور بھی لاکھوں مگر
اُن کا جو انجام ہے تیرا وُہی آغاز ہے

ڈال دی جس پر نظر اللہ والا کر دیا
یہ تو ادنےٰ سا تصرف کا ترے اعجاز ہے

معرفت کے تجھ پہ سب ظاہر ہیں جو اسرار ہیں
کُنتُ کَنزاً مَخفِیًا کا تجھ پہ روشن راز ہے

مُرشدِ کامل حسین احمد یقیناً ہے تو ہی
اے کہ تجھ پر ملّت بیضا کو فخر و ناز ہے

دیکھ لے چشمِ حقیقت سے نظر بھر کر مجھے
تیرے قرباں بادۂ عرفاں کا اک ساغر مجھے

مولانا مدنیؒ اور مولانا تھانویؒ
مفتی کفایت اللہؒ

از مولانا محمد سمیع الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

"آفتاب ہدایت" نام کے رسالہ انیقہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ اسرارہم کی ذات والا تبار کے متعلق ممتاز علماء اعیان ملک و ملت کے جذبات تبریک و تحسین پیش کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی کے پُر خلوص اور عقیدت سے لبریز مندرجہ ذیل الفاظ سے حضرت مولانا مدنیؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ کے باہمی روابط۔ مودت و محبت اور حضرت شیخؒ کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں

"میرے نزدیک ابو حنیفہؒ زمانہ، بخاریؒ اوانہ، جنیدؒ و شبلیؒ عصرہ حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولٰنا حسین صاحب مدنی مدظلہ کی مدح میں کچھ لکھنے والا "مادح خورشید مداح خود است" کا مصداق ہے۔ اس سے کون شخص انکار کر دے گا۔ کہ اس وقت خاندان امدادیہ رشیدیہ میں حسین احمدؒ کا کوئی بھی ثانی مقدر سے نہیں رہا۔ حضرت کے سیاسی مسلک سے تو اس خاندان میں خلاف ملے گا۔ مگر میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل و کمال، تبحر فی العلم والسلوک سے شاید کسی اہل بصیرت کو بھی اختلاف نہیں ہوگا۔ آپ نے سُنا ہوگا۔ کہ مولانا کی اسارت کی خبر پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ نے کس قدر رنج و حزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ "مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے" اور جب حضار مجلس میں سے کسی خادم نے یہ عرض کیا.... کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں۔ تو حضرتؒ نے فرمایا۔ "آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ کیا حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے" مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا۔ جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو"۔ مختصر یہ کہ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنیؒ ہی رشد و ہدایت اور علم و فضل کے "درخشاں آفتاب" ہیں۔ (زکریا کاندھلوی)

شریعت غرّاء کے اس تابناک و درخشاں آفتاب ہدایت کے متعلق ایک معاصر مگر جان نثار اور عقیدتمند ہندوستان و عالم اسلام کے بے مثال اولوالعزم مجاہد اور متبحر مفتی حضرت علامہ سیدنا کفایت اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے جذبات عقیدت ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی۔ آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان اُن کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔ وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں۔ اُن کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانانِ ہند واقف اور اُن کے اخلاص و دیانت کے مخالف بھی معترف ہیں۔ مجھے زمانۂ طالب علمی سے اُن کے ساتھ شرف نیاز حاصل ہے۔ اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو اُن کی صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔ الخ"

اُن کی عظیم مذہبی وطنی خدمات اور عظیم اخلاص و دیانت اور صادق الفطرۃ ہستی نے ان کے سخت ترین مخالفین کے قلوب کو بھی ان کی عظمت و احترام پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ ۲۵ پر مودودی صاحب اس اعتراف حقیقت پر مجبور ہیں۔ کہ

"عرب و عجم کے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ذات گرامی مسلمانوں کے لئے قدرت کا ایک بے بہا انعام ہے۔ جو دن رات ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی خاطر مصائب میں مبتلا رہتے ہیں۔ مولانا کی بے مثال قربانیاں اظہر من الشمس ہیں۔ خدا اس "مرد مجاہد" کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔"

حضرت مولانا سعید احمد صاحب ایم اے اکبر آبادی مدیر برہان کے نظر میں باوجود جستجو و تلاش کے تمام عالم اسلام موجودہ زمانہ میں ایسی "جامع الصفات" ہستی کی کوئی اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جامعیت اوصاف و خصائل کے اعتبار سے اگر کوئی شخصیت پیر و مرشد بننے کے قابل ہے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی شخصیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل و دماغ۔ روح اور جسمانی اعضاء ہر چیز میں خالص اسلامی روح متحرک نظر آتی ہے۔ افسوس ہے کہ فرصت نہیں۔ ورنہ ایک ایک دعوے کو دلائل و براہین سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔"

مکتوبات شیخ الاسلام رحمہ

۱- بنام شیخ عبداللطیف صاحب فاروقی حال کیمبلپور

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - آپ کا والانامہ محررہ ۱۶ میرے سامنے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا شوق ہے۔ اس لئے کوئی طریقہ اس کا بتلا- بناءً اعلیہ۔ عرض ہے - کہ جمعہ کی شب میں (یعنی جمعہ کے دن سے پہلے کی رات میں) نہا کر صاف اور ستھرے کپڑے پہن کر خوشبو لگائیں اور صاف جگہ میں دو رکعت نماز نفل ادا کریں - ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے پچیس پچیس مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ایک ہزار مرتبہ مندرجہ ذیل درود شریف پڑھیں:-

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ اس کے بعد قبلہ رو سو جائیں۔ اسی طرح بار کی رات میں اور اتوار کی رات میں ہر شب میں یہی عمل جاری رکھیں - انشاء اللہ ایک ہفتہ نہ گزرے گا کہ زیارت نصیب ہو جائے گی۔ غرضیکہ یہ عمل زیارت نصیب ہونے تک برابر جاری رہنا چاہیئے۔ واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۴ ربیع الاول ۵۹ھ

۲- بنام حاجی بشیر احمد صاحب بلال پارک باغبانپورہ لاہور

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ آپ کی توجہات دینیہ باعثِ مسرت ہیں - اللہ تعالےٰ آپ کو مقاصدِ دارین میں کامیاب فرمائے اور اپنی رضا و خوشنودی سے مالامال کرے اور ایسے اعمال و اخلاق کی توفیق دے جوکہ موجب رضاء عزوجل ہیں - آمین - میں آپ کے مقاصد کے حصول کے لئے دعا گو ہوں - نصائح کے لئے مجھ جیسے ناکارہ نا اہل کو قدم بڑھانا نا غیر مناسب ہے۔ مولانا احمد علی صاحب آپ کے پاس موجود ہیں۔ اون کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ اور دعواتِ صالح سے فراموش نہ فرمایئے والسلام - ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

جہاں تک ممکن ہو صورت اور سیرت جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی بنایئے اور اخلاص وللّٰہیت کو ہر کام میں کام میں لایئے۔ والسلام۔

ہندوستان قرنہا قرن سے دارالاسلام تھا۔ مسلمانوں کی غفلت اور آپس کے نفاق وغیرہ نے اوس کو دارالحرب بنا دیا۔ مسلمانوں کا فریضہ شرعیہ ہے۔ کہ جب تک وہ پھر دارالاسلام نہ بن جائے۔ چین سے نہ بیٹھیں۔ اور نہ اپنی استطاعت کے موافق ایثار و قربانی کرنے میں کسی کوتاہی کو روا رکھیں۔ واللہ ولی التوفیق

خادم الاسلام حسین احمد غفرلہٗ

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

کتبہٗ خادم العلم بدارالعلوم دیوبند حسین احمد غفرلہٗ

قطعۂ تاریخ وفات حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۱

منبع علم و فضل و زہد و ورع
کشیخ درسِ حرم حسین احمد
صدر دار العلوم والاعمال
فخر سیف و قلم حسین احمد
در تواضع نمونۂ اسلاف
نازِ جود و کرم حسین احمد
از سیاسیات ہند کردہ فراغ
زد بجنّت علم حسین احمد
گو دبآغوشِ رحمت آں تاریخ
۱۹۵۷ع
چونکہ شد در ارم حسین احمد
نیز تاریخ گشت در جنت
۱۳۷۷ھ
چوں نہادن قدم حسین احمد
گفتہ اند آہ فضل و فیض نماند
۱۹۵۷ع
بست رخت عدم حسین احمد
۱۹۵۷ع

اما العلماء والفضلاء والاتقیاء وامام اھل الحق وشیخ العرب والعجم حضرت مولانا ومقتدانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ کے متعلق

میری عقیدت اور میرے دل میں ان کی عظمت

میں نے کئی سال سے دل میں یہ پروگرام بنایا ہوا تھا کہ میری داڑھی کے جو بال کنگھی کرنے سے نکلتے ہیں - وہ کسی اپنے معتمد آدمی کے ذریعے سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی اسعد صاحب کی خدمت میں پہنچا دوں اور ان سے درخواست کروں کہ حضرت کو اطلاع دیئے بغیر موچی کو دیں کہ حضرت کے جوتے کے تلووں میں یہ بال رکھ کر سی دے تاکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اسی نسبت کے باعث میری قیامت کے دن عذاب الٰہی سے نجات ہو جائے۔ افسوس کہ میری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی - اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ میں پہنچ گئے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ دروازہ شیرانوالہ لاہور

شیخ اہلِ ہدیٰ حسین احمد
کو پناہِ ہمہ امانی شد
صدر دار العلوم و شیخ حدیث
کز وے آنرا نگاہ بانی شد
از عرب تا عجم بفیض درس
قریہ قریہ حدیث دانی شد
عام فیضان روحی و علمی
در اقاصی و در ادانی شد
صد ہزاراں یزید در ہر سو
در حسین آنچہ حق بیانی شد
قرنہا بعد ایں حسین آمد
چوں ز حق فضل و مہربانی شد
در غم انداختہ جہانے را
خود بفردوس شادمانی شد
شصت سالیکہ فی سبیل اللہ
باقیاتِ حیات فانی شد
گو چو کرب و بلا فزود امروز
دی شہید آں حسین ثانی شد ۱۳۷۷ھ

از جناب عبدالمجید خان عاجز فوقی رامپوری

جس مردنے شرک وبدعت کی ہر گام پہ کی ہے بیخ کنی
گم ہو گیا ہند و پاک کا وہ دُرِّ عدنی لعلِ یمنی
اُٹھا جو قلم الہام ہوا تاریخ کی عاجز فکر ہے کیا
لکھ دو کہ مقیم جنت ہیں مرحوم حسین احمد مدنی

۱۳۷۷ھ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعزیتی جلسہ کی تقریر

مجھے اپنی اس زندگی میں جس چیز کا بار بار تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نایاب اور مشکل کام انسان کا بروقت پہچاننا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے تخیل اور تجربہ کے مطابق اپنے زمانہ کے مشاہیر کا ایک نقشہ اور ایک خیالی تصویر تیار کر لیتا ہے اور اس کو مقام دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک عارف کو کہنا پڑا ہے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرار من

لیکن بعض صورتوں میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس پر کچھ اس طرح کے حجابات پڑ جاتے ہیں جو عام لوگوں میں معروف ہوں اور جو رواجی ہوں جن کا اپنا ایک خاص ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص اہل دنیا کے لباس میں رہتا ہے تو اندر سے وہ خواہ کچھ بھی ہو لوگ اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکتے، ہماری نگاہیں حجابات سے پار نہیں ہونے پاتیں۔

مولانا مدنی کے نام کے ساتھ کل تک زبان مدظلہ العالی کہنے کی عادی تھی اور اس وقت ہم رحمۃ اللہ علیہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں، کے سمجھنے میں ایک اور آہنی حجاب حائل ہو گیا ہے۔ یہ ان کی سیاسی حیثیت تھی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اور آئندہ بھی کہا، لکھا اور شائع کیا جاتا رہے گا۔ مولانا جنگ آزادی کے بہت بڑے قائد اور رہنما تھے۔ لوگوں کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہوگی اور شاید مولانا کی انتہائی تعریف اور مدح سمجھی جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہے، مولانا کی اصل صورت و حیثیت اس کے پیچھے مستور رہی ہے اور اس حجاب نے بڑے بڑے لوگوں کی نگاہوں سے ان کو اوجھل رکھا ہے۔

اصل تو یہی ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کون کیا ہے۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو دوسری حیثیتوں کے جاننے کا تھوڑا بہت موقع ملتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان حجابات کو اٹھائیں اور اس شخص کی اصل صورت اور حیثیت کو سامنے لائیں، میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے بھی اس کا تھوڑا بہت موقع ملا ہے اور میں اپنے لئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کی زندگی کے کچھ پوشیدہ گوشے جن کو مجھے دیکھنے سمجھنے اور جاننے کا موقع ملا ہے ان لوگوں تک پہنچاؤں جو مولانا کو اب تک کچھ اور سمجھتے رہے ہیں۔ میں اس وقت آپ کو سامنے رکھ کر اپنی اس آواز کو دور دور تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

مولانا اس وقت وہاں ہیں جہاں ہماری مدح و ستائش کی ان کو ضرورت نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں انسان مدح و ذم سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اس کا تذکرہ میں اس وقت اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کی خود ہمیں ضرورت ہے۔ ہمیں ان کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے اور اسکے مفید پہلوؤں کو اپنانا اور ان سے سبق لینا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو باتیں میں عرض کرونگا، یہ وہ ہیں جو میرے ذاتی مشاہدہ میں آئیں۔ ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ کوئی رنگ آمیزی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان واقعات کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کی زندگی کا سب سے پہلا امتیاز اور اعلیٰ وصف اخلاص اور للٰہیت ہے، افسوس یہ ہے کہ الفاظ کثرت استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں، اخلاص بھی انہیں لفظوں میں سے ہے۔ ہر معمولی دیندار اور ذرا پابند صوم و صلوٰۃ آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک آدمی کی سب سے پہلی تعریف مخلص ہوتی ہے، حالانکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مخلص ہونا انسان کی آخری اور انتہائی تعریف ہے، ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین کے مقام پر پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہ مقام نبوت کا پرتو ہے، میں نے مولانا کی زندگی میں اس جوہر کو بہت نمایاں دیکھا، ایسا کام جو اخلاص ہی پر مبنی ہو اور جو عام طور پر محض اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہو، اور جس میں کوئی دنیاوی اور مادی نفع نہ ہو مثلاً نماز پڑھنا، اس میں اخلاص کا قائم رکھنا زیادہ مشکل نہیں، اگرچہ یہ بات بھی پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے کاموں میں بھی محض خال خال اور چند ہی ایک صحیح معنی میں مخلص کہے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن جو کام اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر دنیاوی نفع اور فائدہ کے لئے کیے جاتے ہوں، جہاں غیر مخلصین کا مجمع ہو وہاں اخلاص کا قائم رکھنا بڑا مشکل ہے، نماز اخلاص کے ساتھ پڑھنا آسان ہے، لیکن تجارت، مزدوری، کتابوں کا لکھنا اور شائع کرنا اخلاص کے ساتھ بہت مشکل کام ہے، اور اسی لئے اللہ نے ایسے لوگوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جو ایسے اعمال میں اپنے اخلاص کو قائم رکھتے ہیں۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ۔

مولانا کی عظمت کا راز یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑے مقرر تھے، میں آپ کے سامنے صاف کہتا ہوں کہ مولانا کوئی جادو بیان اور شعلہ بار مقرر نہیں تھے، بلکہ وہ بقدر ضرورت ہی تقریر کرتے تھے۔ لوگ مولانا کے سامنے اس لئے نہیں جھکتے تھے کہ وہ کوئی بڑے مصنف تھے، مولانا کا شمار ملک کے نامور ممتاز مصنفین میں نہیں، ہر شخص ان کے سامنے چھوٹا نظر آتا تھا اس لئے نہیں کہ دنیا میں ان کا جیسا کوئی عالم نہیں، میں اس کے کہنے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور نہ اس میں مولانا کی کوئی تنقیص ہے، بہت بڑا عالم ہو جانا کوئی بڑا کمال نہیں، جو ذرا محنتی، ذہین اور فہیم ہو اور اس کو مطالعہ کا موقع ملے ایک بڑا عالم بن سکتا ہے، مولانا کی

بڑائی کا یہ راز ہے کہ وہ سرتا پا اخلاص تھے۔ وہ اپنے ہر کام میں اور ہر وقت مخلص تھے۔ ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی اور غیر دینی سے غیر دینی کام اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان کی ساری سیاسی جدوجہد محض ابتغاء رضوان اللہ تھی، وہ صرف اس لئے اس میں منہمک رہے کہ وہ اس کو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، وہ اس سے قرب الٰہی چاہتے تھے۔ وہ ان کے لئے "سلوک" بن گیا تھا۔ یہ ان کے لئے جہاد تھا اور وہ اس میں شرکت سے محض تقرب بالجہاد چاہتے تھے، جس نیّت سے وہ رات کو تہجد پڑھتے تھے، آپ یقین کریں کہ اسی نیّت سے وہ اسٹیج پر تقریر کرتے تھے، وہ وہاں اس نیّت کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس نیت سے وہ نوافل پڑھتے تھے، جو ثواب ان کو تہجد کی آٹھ یا دس رکعتوں میں ملتا ہوگا۔ وہ ان کو رات کے کسی جلسہ کی شرکت میں ملتا ہوگا، جس طرح مجاہد میدان جنگ میں جاتا ہوگا اسی نیّت سے وہ جیل خانے جاتے رہے ہوں گے۔ یہ آسان کام نہیں، یہ مقام وہ ہے جو صرف اہل اللہ کو بھی نہیں، کاملین اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ ایک منٹ کے لئے اپنے کو ایسے ماحول میں اللہ کے قریب سمجھنا مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وہاں اُنھوں نے گھنٹوں، دنوں، مہینوں اور سالوں اپنے کو اللہ کے ساتھ مشغول رکھا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ان کو ان کی یہ سیاسی مشغولیت ان کیفیات سے دُور نہیں کرتی تھی جو اس سے علیحدہ ہوتی تھیں، جس اسٹیج پر وہ ہوتے تھے وہاں اکثر وہ لوگ ہوتے تھے جنھیں نماز کا بالکل خیال بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی تھی۔ لیکن وہ جلسہ سے اُٹھ کر کسی مسجد میں تشریف لے جاتے، وہاں اگر نماز ہوچکی ہے، کسی دوسری مسجد میں تشریف لیجاتے، جہاں جماعت ملتی وہاں پڑھتے، کہیں نہ ملتی تو اپنی علیحدہ جماعت کرتے، یہ ایک مثال ہے۔ اس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں جو ان کی زندگی میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے اخلاص و للّٰہیّت اور اللہ کے ساتھ انتہائی تعلق اور مشغولیت کی دلیل ہیں، اور یہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں —— یہ اُن کی زندگی کا پہلا جوہر ہے جس نے ان کو وہ بلندی عطا کی جو ان کے سیاسی معاصرین میں سے کسی کو نہیں ملی۔

اس اخلاص کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی اس سیاسی جدوجہد میں شروع سے حصّہ لیا اور اس وقت تک حصّہ لیتے رہے۔ جب تک اس کی ضرورت تھی، لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی اور وقت اور موقع آیا اس محنت کی قیمت وصول کرنے کا، تو انھوں نے ہاتھ کھینچ لئے، ایک وقت ہوتا ہے مزدوری کا، ایک مزد کا، مزدوری پوری کی مسلسل کی اور محنت و مشقت سے کی، لیکن اُجرت وہاں کے لئے اُٹھا رکھی جہاں وہ اب ہیں۔ جب آزادی کا درخت لگایا جا رہا تھا اور اس کی آبیاری کے لئے خون پسینہ کی ضرورت تھی، وہ پیش پیش تھے۔ لیکن جب اس درخت کے پھل کھانے کا وقت آیا اس وقت وہ اللہ کا بندہ اتنی دُور جا بیٹھا جہاں اس کی ہوا بھی نہ لگ سکے۔ وہ آزادی سے پہلے بھی ایک مدرس تھے اب بھی وہی مدرس رہے، پہلے بھی ایک مختصر سی تنخواہ پاتے تھے اب بھی وہی پاتے رہے، آزادی کی جد و جہد کے رفیقوں اور ہم سفروں میں وہی ایک شخص تھے جن کا دامن دُنیاوی منفعت کے داغ اور آلودگی سے پاک رہا۔ اور بلا واسطہ اور بالواسطہ وہ کسی طرح اپنے صاحب اقتدار و با اختیار رفیقوں کے ممنون نہیں ہوئے۔

۲ - مولانا کی زندگی میں دوسرا نمایاں وصف . . . . . . ان کا عزم و عالی ہمتی تھی۔ مسلمانوں میں بالعموم اور طبقۂ علماء میں بالخصوص قوتِ ارادی کی بڑی کمی نظر آتی ہے، دماغی اور ذہنی حیثیت سے بڑے بڑے ممتاز لوگ ہوں گے۔ اور ہیں۔ لیکن یہ جوہر نایاب ہے، دینی و علمی حلقہ میں مولانا جس چیز میں ممتاز تھے وہ بلند حوصلگی ہے، جس چیز کو رضائے الٰہی کے لئے ضروری سمجھا اس کو انھوں نے بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا اور برداشت کیا بلکہ دعوت دی خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ صبر آزما اور ہمّت شکن ہو، اُنھوں نے اس وقت کئی کئی برس جیل کاٹے ہیں جب جیل جانا آسان کام نہیں تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی بڑی چیز اور بظاہر زیادہ سخت چیز کا مقابلہ کر لیتا ہے، لیکن بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حکومت سے ٹکّر لینا اور اس کی سختیوں اور مظالم کو برداشت کرنا آسان ہے لیکن بعض گھریلو معاملات اور گھریلو تعلقات کے سامنے پاؤں پھسل جاتے ہیں، لیکن مولانا نے ہر چیز کا مقابلہ کیا، اُنھوں نے کوئی کام اپنی زندگی میں اس لئے چھوڑنا کیا معنی ملتوی نہیں کیا کہ وہ مشکل ہے ہم آپ سب جانتے ہیں کہ وہ کثرت سے سفر کرتے تھے، سیاسی و غیر سیاسی، دینی و غیر دینی حلقہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ان کے برابر سفر کئے ہوں، پھر ان سفروں میں لوگوں سے ملنا، باتیں کرنا، تقریریں کرنا، معمولات کا پُورا کرنا، جو لوگ مولانا سے قریب رہے ہیں وہ ان کے اس جوہر سے کسی قدر واقف ہیں۔ لوگوں کی دلجوئی اور محبین کی خوشی کے لئے بڑے بڑے مشکل اور طویل سفر اپنے ذمہ لے لینے۔ جگہ جگہ ٹھہرتے اور عزیزوں اور دوستوں کی فرمائشیں پُوری کرتے، نہ بڑھاپا ان کے لئے رکاوٹ تھا، نہ بیماری، نہ مصروفیت، پھر مختلف بلکہ متضاد مشاغل اور ذمہ داریوں کا جمع کرنا بغیر اعلیٰ درجہ کے عزم اور قوتِ ارادی کے ممکن نہ تھا۔ مولانا کو وہ عزم اور طبیعت کا استقلال ملا تھا جو ملکوں اور قوموں کی زندگی میں بڑے بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے، مگر افسوس کہ اس سے پُورا فائدہ نہ اُٹھایا جا سکا۔

۳ - دینی انہماک اور دینی مصروفیت، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان سے کچھ قریب رہے ہیں، ایسا مسلسل اور انتھک کام کرنے والا، اور نہ اُکتانے اور نہ گھبرانے والا انسان کم نظر آیا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو مولانا کی مصروفیت کو دیکھتے تھے وہ گھبرا جاتے تھے اور پریشان ہو جاتے تھے کہ مولانا اتنا کام کیسے کرتے ہیں۔ سیکڑوں آدمیوں سے ملنا، درجنوں مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا، ایک ایک سے اس کے مطلب اور ضرورت کی بات کرنا، حتیٰ کہ تعویذ چاہنے والوں کو تعویذ دینا، پھر اسی میں حدیث کے درس کی تیاری کرنا اور کئی کئی وقت صبح شام، ظہر بعد، عشاء بعد دیر رات تک درس دینا اور درس بھی ایسا عالمانہ و فاضلانہ جو ان کے منصب کے مطابق تھا، پھر خطوط کا جواب دینا، جب تک خود لکھ سکنے کے قابل رہے خود ہی جواب لکھتے رہے، آخر میں دوسروں سے لکھوانے لگے تھے۔ لیکن پھر بھی بہت سے

خطوط اپنے قلم سے لکھتے، میرا خیال ہے کہ دینی شخصیتوں میں سے کسی کے پاس اتنی ڈاک نہ آتی ہوگی جتنی مولانا کے پاس آتی تھی اس لئے کہ مولانا کی حیثیت سیاسی لیڈر کی بھی تھی، شیخ طریقت کی بھی تھی۔ اور ایک عالم دین کی بھی تھی، مہمانوں کا اکرام کرنا، ایک ایک شخص کی طرف خصوصی توجہ، اس کی ضرورت پوری کرنا اور وہ بھی پوری بشاشت، انبساط و انشراح کے ساتھ، کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی امور میں اتنا انہماک و سرگرمی، یا تو میں نے مولانا الیاس صاحبؒ میں دیکھی یا مولاناؒ میں، مولانا الیاسؒ میں اپنے رنگ میں اور مولاناؒ میں اپنے رنگ میں، رات کو دس بجے کہیں سفر سے واپس آئے، اسی وقت طلبہ کو اطلاع ہوئی کہ درس ہوگا، کیسی نیند، کہاں کا تکان پورے نشاط کے ساتھ درس دیا۔ اسی میں طلبہ کے سوالات کے جوابات، اور وہ بھی غیر متعلق سوالات کے جوابات ـــــ آپ تعجب سے سُنیں گے کہ حج کے سفر سے واپس آئے ہیں جس سفر کے بعد مہینوں لوگ تھکن اُتارتے ہیں، اور کس طرح آئے ہیں کہ راستہ میں ہر بڑے اسٹیشن پر متعلقین و محبین سے مصافحہ کرتے، مزاج پوچھتے، ملاقات کرتے آئے ہیں، آتے ہی حکم ہُوا کہ سبق ہوگا۔ بتائیے سیاسی لیڈروں میں یہ واقعہ مل سکتا ہے کہ مشاہیر عصر میں؟ بغیر انتہائی تعلق مع اللہ کے یہ ممکن نہیں، یہ ہیں وہ کرامتیں جو بڑی بڑی حسی کرامتوں سے بدرجہا بلند ہیں۔

مولانا کا چوتھا بڑا وصف ان کی آدمیت اور انسانیت ہے، آدمیت ایک خاص لفظ ہے اور خاص معنی میں بولا جاتا ہے، معمولی بات نہیں ع

آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جب کسی کی بڑی تعریف کرتے تو فرماتے: "وہ نسخۂ آدمیت" ہے ایک صاحب کی وفات ہوئی تو فرمایا:

"مردند و آدمیت بخاک بردند"

آج مولانا کے بارے میں بھی یہی جملہ بجا طور پر دوہرایا جا سکتا ہے۔ مولانا کی اس صفت و خصوصیت کا اندازہ ان کے مکارمِ اخلاق سے ہوتا ہے۔ دوسروں کو حتیٰ کہ معاندین و مخالفین تک کو نفع پہنچانے کی کوشش کرتے، خود تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں لیکن دوسروں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی فکر کر رہے ہیں، ایسا بھی ہُوا ہے کہ کوئی مہمان تھکا ماندہ کہیں سے آیا ہُوا رات کو سو رہا ہے، اور مولانا اس کے پیر دبا رہے ہیں، مہمان کے تصوّر میں بھی نہیں تھا کہ یہ پیر دبانے والے مولانا ہو سکتے ہیں اور یہی نہیں جنھوں نے ان کو تکلیفیں پہنچائیں، مولانا نے ان کے ساتھ سلوک و احسان کیا۔ اور ہمیشہ نفع رسانی اور خدمت کی فکر میں رہتے، اور جب بھی اور جس طرح بھی موقع ملا ہے۔ اس کو آرام و نفع پہنچایا ہے، دوسروں سے اگر اس کو کام پڑا ہے تو سفارش کی ہے، خود جا سکے تو جا کر کی ہے، پیغام کے ذریعہ سے ممکن ہُوا تو پیغام بھیجا ہے، جس کے جیسے حقوق ہوتے اور جس کا جیسا مرتبہ ہُوا اور جس کو جیسی ضرورت ہُوئی اسی کے شایانِ شان پُورا کیا ہے، براہ راست ان مخالفین کو ضرورت پڑی تو ان کی ضرورت پوری کی اور اگر ان کے عزیزوں میں سے کسی کو ضرورت ہوئی ہے تو ان کی کاربراری کی اور ان کے واسطے سے اپنے ان معاندین کی راحت رسانی کی، انھوں نے اپنے مخالفین و معاندین کو معاف بھی کیا، ان کے لئے دُعائیں بھی کرتے تھے، ان کا عمل وہ تھا جو کسی عارف نے کہا ہے۔

ہر کہ مارا یار نہ بود ایزد او را یار باد
ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ در راہ منم خار نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد گلزار باد

ہماری آپ کی بدقسمتی تھی کہ ہم نے جانا نہیں کہ وہ کیسے باطنی مراتب پر فائز تھے اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس کوچہ سے واقف ہوں .... جو اس کا احساس رکھتے ہوں، وقت کے عارفین و اہل نظر کی زبان سے مَیں نے ان کے لئے بڑے بلند کلمات سُنے ہیں، اور ان سب کو ان کی عظمت و بلندی کا معترف اور ان کی مدح توصیف میں رطب اللسان پایا ہے، مولاناؒ اپنے زمانہ میں ڈاکٹر اقبالؒ کے ان اشعار کا کامل نمونہ و مصداق تھے ؎

سرّ دیں مارا خبر او را نظر
او درون خانہ ما بیرون در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش
او ز دست مصطفٰےؐ پیمانہ نوش
ما ہمہ عبد فرنگ او عبدہ
او نگنجد در جہان رنگ و بو

ڈاکٹر صاحب نے کبھی کہا تھا ؎

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

مولانا کا عمل پہلے مسلک پر تھا، یہ واقعہ ہے کہ وسعت افلاک میں مولانا کی زندگی تکبیر مسلسل تھی۔

یہ مَیں کہوں گا کہ مولانا معصوم نہیں تھے، ایسا نہیں ہے کہ ان سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو، ضروری نہیں کہ ان کی تمام سیاسی اور اجتہادی آراء و نظریات میں ان سے اتفاق کیا جائے، لیکن یہ مَیں ضرور کہوں گا کہ جو کچھ انہوں نے کہا یا کیا محض رضائے الٰہی اور حمیتِ دینی میں، ان کے لئے کوئی دُنیاوی محرک یا مصلحت نہ تھی،

مولاناؒ کا چھٹا بڑا وصف ان کا اپنے بزرگوں، اساتذہ اور شیوخ سے عاشقانہ تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ان کی شخصیت کی کنجی ہے، اور ان کی ساری زندگی اور اس کے اہم اور عظیم واقعات کا راز یہ ہے، یہ چیز ایسی تھی جو ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی ان کا یہ تعلق ان کو بعض ایسی چیزوں پر آمادہ کر دیتا تھا جو ان کے عام اخلاق و صفات کے خلاف ہوتیں، اور بعض دفعہ سمجھ میں نہ آتیں کہ یہ کیسے ہُوا، یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ مولانا اپنی بڑی سے بڑی توہین اور اذیت برداشت کر سکتے تھے مگر اپنے اکابر و اسلاف اور شیوخ و اساتذہ کی تنقیص اور ان کا استخفاف برداشت نہ کر سکتے تھے۔ بعض مرتبہ یہ چیز ان کی شدید بیزاری و مخالفت کا سبب بن جاتی، آخر میں اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے مسلک پر قائم رہنے کا جذبہ بہت شدید ہو گیا تھا، اور وہ اس راستہ سے بال بھر ہٹنا گوارا نہیں کرتے تھے، اسی طرح سے خلاف شریعت فعل کے دیکھنے کا تحمل نہیں رہا تھا، اور یہ تاثیر ان کے عام اخلاق پر بھی غالب آ گیا تھا۔

مولانا کا ایک بہت بڑا کارنامہ جس کی اہمیت کا احساس بہت کم لوگوں کو

ہے، یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں اور اس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے بقا و قیام کا ایک بڑا ظاہری سبب مولانا ہی کی ہستی تھی، یہ وہ وقت تھا کہ جب بڑے بڑے کوہ استقامت جنبش میں آگئے، سب یہی سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں، مسلمانوں کی تاریخ میں دو ہی چار ایسے دور گزرے ہیں جب مسلمانوں کے اور اسلام کے بقا کا سوال آگیا ہے، ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں اسی نوعیت کا تھا، اصل مسئلہ سہارنپور کے مسلمانوں کا تھا، سارا دار و مدار ان پر تھا، یہ اپنی جگہ چھوڑتے تو یو۔پی کے مسلمانوں کے قدم لغزش میں آجاتے، اور سہارنپور کے مسلمانوں کا انحصار سارا کا سارا دو ہستیوں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہ اور حضرت مولانا مدنی رح پر تھا، اس وقت مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ جمنا کے کنارے ہونا تھا، لیکن یہ دو صاحب عزم مجاہد بندے وہاں جمے رہے، اور انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، ایک رائے پور کی نہر کے کنارے بیٹھ گیا اور ایک دیوبند میں، آپ کو معلوم ہوگا یہ رائے پور و دیوبند مشرقی پنجاب کے ان اضلاع سے جہاں کشت و خون کا ہنگامہ گرم تھا، متصل ہیں، لیکن یہ اللہ کے ... پورے عزم و استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اسلام کو یہاں رہنا ہے اور رہے گا، انہوں نے کہا مسلمانوں کا یہاں سے نکلنا صحیح نہیں، اگر تم مشورہ چاہتے ہو تو ہم مشورہ دیتے ہیں اور اگر فتویٰ کی ضرورت ہے تو ہم فتویٰ دینے کو تیار ہیں کہ یہاں سے اس وقت مسلمانوں کا نکلنا درست نہیں اس وقت جو ہندوستان میں اسلام و مسلمان قائم ہیں یہ انہیں بزرگوں کا احسان ہے، ہندوستان میں اس وقت جو مسجدیں قائم ہیں اور ان میں جو نمازیں پڑھی جا رہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی یہ ان کا طفیل ہے۔ ہندوستان میں جتنے مدرسے اور خانقاہیں قائم ہیں اور ان سے جو فیوض و برکات صادر ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے انہیں کے رہین منت ہوں گے اور ان سب کا ثواب ان کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہے گا، اس سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب رح نے سارے ملک کا دورہ بھی کیا ایمان آفریں اور ولولہ انگیز تقریریں کیں، اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ، اپنی تقریروں اور خود اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو اس ملک میں رہنے، اپنے ملک کو اپنا سمجھنے اور حالات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔

یہ بات میں اور واضح کر دوں کہ مولانا کے بارے میں لوگوں کو یہ بڑا مغالطہ ہے کہ وہ موجودہ حالات سے کلی طور پر مطمئن تھے، قریب کے لوگ جانتے ہیں کہ مولانا کے سینہ کے اندر کیسا درد و سوز کیسے اسلامی جذبات اور کیسی دینی حمیت موجزن تھی، اور ان کے اندرونی احساسات کیا تھے، مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ان کو مولانا کے ان خدمات اور اندرونی احساسات اور امت اسلامیہ اور اس کے مسائل کے ساتھ گہرے تعلق اور درد و سوز کا اندازہ نہ ہوسکا، اور مولانا رح کی زندگی کا یہ پہلو جتنا روشن اور معروف ہونا چاہیئے تھا روشن اور عام طور پر معروف نہ ہوسکا، آزادی کے بعد جو خلاف توقع حالات و تغیرات اس ملک میں پیش آئے انہوں نے مولانا کی طبیعت کو بہت افسردہ کر دیا تھا۔ ان کی عمر کا بہترین زمانہ اور ان کی بہترین قوتیں انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوچکی تھیں اور اس معرکہ میں وہ کامیاب ہو چکے تھے، اب انکی ضعیفی افسردگی اور بے تعلقی کا زمانہ تھا، آخر میں ان کی تقریروں کا موضوع اور دعوت صرف ذکر کی تلقین کرنا، خاتمہ کی فکر کی طرف متوجہ کرنا، تعلق مع اللہ اور ایمان باللہ کو مضبوط سے مضبوط کرنا دینی شعائر کا احیاء اور سنت نبویہ کی کثرت سے ترویج و اشاعت رہ گئی تھی، انہوں نے اپنے عالی مرتبہ شیوخ و اساتذہ سے تعلق مع اللہ، استقامت علی الشریعت اور باطنی مشغولیت کی جو دولت حاصل کی تھی، تمام اسفار و مشاغل و ہجوم علائق، درس و تدریس کی مصروفیت اور آخر میں علالت کی شدت میں بھی وہ اسی میں مشغول تھے۔ اور روز بروز وہ ہر چیز پر غالب آتی جا رہی تھی، زندگی کے آخری ایام تک نماز کھڑے ہوکر اور با جماعت ادا کی، یہ ناچیز آخری بار ۲۵۔ نومبر کو یعنی وفات سے صرف گیارہ روز پہلے حاضر ہوا سخت تکلیف اور بے حد ضعف تھا، یہ وہی دن تھا جس دن ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی معائنہ کرکے یہ کہا تھا کہ مولانا صرف اپنی قوت ارادی سے زندہ ہیں، اور ہمارا فن اس علالت کے سامنے ناکام ہے، اس روز بھی مولانا نے ظہر کی نماز کھڑے ہوکر اور باہر آکر جماعت کے ساتھ ادا کی مولانا کی خدمت میں جب حاضری ہوئی تو پوری بشاشت اور استقلال کے ساتھ گفتگو فرمائی - ایک کتاب کے پہنچنے کا ذکر کیا، میں نے عرض کیا مجھے معلوم ہوتا کہ علالت و ضعف اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو کبھی اس کے پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا، فرمایا کیوں؟ میں نے تو کئی صفحات کا مطالعہ کیا، اور نفس کتاب ہی بڑی نعمت ہے، اسی مجلس میں ایک مخلص نے جو باہر سے ملنے آئے تھے روتے ہوئے کہا کہ دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے، فرمایا نہیں، دنیا میں بہت لوگ ہیں! انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں دوسروں سے کیا تعلق؟ فرمایا ہمیں تو امت محمدی سے تعلق ہے -

مولانا نے امت محمدیؐ کی خدمت میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، انہوں نے اپنے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اور اپنے اسلاف سے جو امانت اور ذمہ داری پائی تھی اس کو پورا کر گئے۔ ان کو نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پرواہ، نہ مدح و توصیف کا انتظار ہے نہ ناسپاسی اور ناشناسی کا گلہ، وہ مسلمانوں کو خطاب کرکے کہہ سکتے ہیں -

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے -

بیادِ شیخ الہند ثانیؒ

(از جناب منظور سعید احمد صاحب جالندھری)

بھول بیٹھے جن حقائق کو تھے دُہرانے پڑے
نقشے کیا کیا آنکھ کو پھر سامنے لانے پڑے
پھر کیا تازہ غمِ دل گردشِ ایّام نے
ارتحالِ مدنیؒ سے بڑھتے ہوئے آلام نے
انفرادی دُکھ کہیں یا اجتماعی غم اِسے
ہاں بتا اے قوم کیا عنوان دیں اب ہم اسے
کس طرح آج اُن سے اظہارِ محبت کرسکوں
مَیں غمِ مرگِ حسین احمد میں شرکت کرسکوں
جانتا ہُوں حال اس گلشن کے برگ و بار کا
نقشہ میرے سامنے ہے قوم کے کردار کا

ہائے یہ حرفِ تمنّا سے زباں کی دُوریاں
سختیاں، دشواریاں، پابندیاں، مجبوریاں
مجھ کو اظہارِ غمِ دِل کی اجازت تک نہیں
حکم کا پابند ہوں لیکن شکایت تک نہیں
گو زمانے کی رَوش سے ہیں بہت ناشاد ہم
روک لیتے ہیں مگر اب دُکھ بھری فریاد ہم
تا نہ آجائے شکن اُن کی جبینِ ناز پر
ذکرِ مدنیؒ چھیڑتے ہیں ہم باندازِ دگر

ہاں کہو کچھ اے زمین و آسمانِ مالٹا
اہلِ حق سے صاحبانِ جبر و شر کا ماجرا
تُو امانت دار ہے ماضی کے اُن ایّام کی
صورتیں دیکھی ہیں تُو نے اُن کے صبح و شام کی
یادِ ایّامِ جفا آخر بھلائیں کس طرح
دل فرنگی سے لگائیں تو لگائیں کس طرح

کب پریشاں گردشِ دوراں کے ہاتھوں ہم نہیں
بے نیازِ غم تھا کب دِل، کب اسیرِ غم نہیں!
درد اپنا تو کسی صورت بھی ہوتا کم نہیں
زخم وہ کھایا ہے جس کے واسطے مرہم نہیں
لاکھ آنکھیں خُون روئیں دِل رہے اندوہگیں
اُس عظیم المرتبت کے غم میں کچھ کافی نہیں
جان می لرزد بہ تخیلِ فراقِ مستقل
صورتش اندر نگاہم جاگزیں یادش بہ دِل

دہر اِک ظلمت کدہ وہ نُور کا مینار تھا
قاسمؒ و محمودؒ کا سچّا امانت دار تھا
رہنما ہے نقشِ پائے صاحبِ "نقشِ حیات"۱؎
دستگیرِ گُمرہاں ثابت ہُوئی مدنیؒ کی ذات
آدمی کیا آدمیّت جس کے غم میں سوگوار
مضطرب قلبِ طہارت، رُوحِ تقوےٰ بیقرار
پیٹتی پھرتی ہے سر اب گردشِ لیل و نہار
ہستیاں ایسی نہ آئیں گی جہاں میں بار بار
در جہاں نتواں شنیدن باز آں شیریں نوا
می تواں دیدن حسین احمدؒ دریں دنیا کجا

رونقِ میخانہ کیا، موجود جب ساقی نہیں
آہ وہ باقی نہیں، تو کچھ بھی پھر باقی نہیں
زندہ اُس کے دم سے تھی شرحِ حدیثِ مُصطفٰےؐ
کون ہے جو لے سکے اُس کی طرح اُس کی جگہ
گوشہ گوشہ اُس کے فیضِ علم سے معمور ہے
شمعِ مدنیؒ کی ضیا سے اِک جہاں پُر نُور ہے
از نوائے خود بمردہ جسم روحے در دمید
بُلبلِ جاں بخشِ ملّت حسرتا! اکنوں پرید

پھر خزاں دیدہ ہے شیخ الہند کا رنگیں چمن
مرگِ مدنیؒ سے ہے پاک و ہند اِک بیت الحزن
رُک گئیں سرگرمیاں سب پڑ گئے ہنگامے سرد
درد سے بیتاب ہیں دل اور ہیں رُخسار زرد
دیگرے چوں او بہ گلشن دیدہ ور نایاب نظر
تو اگر داری بگو اے گردشِ شام و سحر

باب میں اُس کی ولایت کا نہیں کرتا رقم
آہ اِس وادی میں پُہنچا ہی نہیں اپنا قدم
یہ کسی رائے پُوری۲؎، احمد علی۳؎ کا حصّہ ہے
ہم نے جو دیکھا نہیں یہ اُس جہاں کا قصّہ ہے
ہم کو رونا تھا سو روئے ہیں کسی کی یاد میں
آنکھ پُرنم، لب پہ آہیں، غم دلِ ناشاد میں
من بصد اخلاصِ دل، شیخ العرب، شیخ العجم
اشک ہائے غم بتو نذرانۂ اُلفت دہم
گر قبولفتد شود ایں خاطرِ ناشاد، شاد
"ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

۱؎ حضرت مدنیؒ کی سوانح حیات اُن کے اپنے قلم سے ۲؎، ۳؎ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری و حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔

فون ۲۸۲۸ / ۲۱۷۵
تار کا پتہ: کریسنٹ
قابل ترین ماہرین کی زیر نگرانی تیار کردہ
پائیدار و مضبوط
سوت
شہزادہ مارکہ سوت
۲۰ - سنگل
۳۰ - سنگل
۳۲ - سنگل
۴۰ - سنگل
۶۰ - سنگل
ہوزری کی اہم ضرورت کیلئے
چاند مارکہ سوت
ہوزری کون
۲۰ - سنگل
۳۰ - سنگل
۴۰ - سنگل
اور
دلپسند و بہترین
پارچہ جات
کورا
ڈرل = ۵۰-۶
۱۷۲۵
بیڈشیٹ نمبر
کوری ململ = ۳۰۵۰ اے
سفید
لٹھا = ۱۹۰۰۰
لٹھا = ۳۷۳۷
ڈوریہ = ۹۰۹۰
ململ = ۵۰۵۰
کریسنٹ ڈوریہ
ململ = ۶۰۳۵
تیار کنندگان: کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ، پوسٹ بکس ۴۶، سرگودہا روڈ، لائلپور
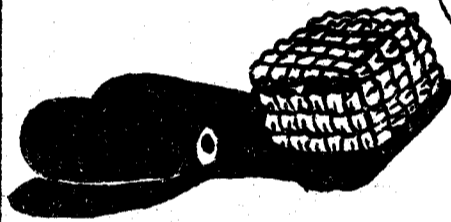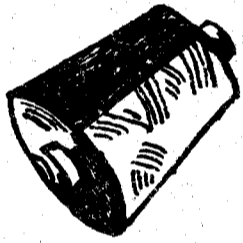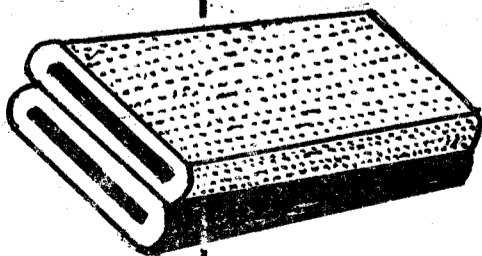
عظیم و جلیل شخصیت

از جناب محمد عبدالکریم صاحب رضا صابر (ڈیرہ اسماعیل خان)

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات ٭ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

آسمان علم و تصوف کے اس چمکتے ہوئے آفتاب عالم تاب کے روحانی علمی کمالات کی روشن کرنیں کہاں کہاں نہیں پہنچیں اور کرۂ ارض کے کون سے خطہ کو اپنی تنویر عالم گیر سے منور و پرُ ضیا نہیں کیا۔ وہ اگر ایک طرف حجاز مقدس کے اس رفیع الشان مقام پر کہ جسے مدینہ منورہ کے پرُ عظمت نام سے پکارا جاتا ہے۔ بالخصوص روضہ اطہر سید الانبیا والمرسلین رحمۃ اللعالمین صلعم کے سامنے ان اہل عرب کو جن کی مادری زبان عربی ہے۔ درس قرآن عظیم و حدیث رسول کریم سے پورے بارہ برس تک فیض یاب کرتے رہے اور اس مدرسہ میں کہ جہاں دنیا کے گوشہ گوشہ سے طلبا، علمی و روحانی فیوضات حاصل کرنے آتے ہیں۔ اور اس چشمۂ رشد و ہدایت سے فیض یاب و سیراب ہو کر جاتے ہیں تو دوسری طرف دیو بند جیسے دارالعلوم میں شیخ الحدیث جیسے ممتاز عہدہ پر فائز رہ کر عجم کے گوشہ گوشہ کو گونا گوں برکات فیوضات سے مالا مال کیا۔

وہ اگر درس حدیث دیتے تو حافظ ابن حجر و حافظ ابن جوزی نظر آتے اگر درس سلوک دیتے تو مجدد الف ثانی و خواجہ علاؤ الدین صابر کلیر کا شبہ ہوتا اور اگر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کئے جاتے تو امام احمد حنبلؒ و امام ابن تیمیہ کی استقامت یاد آتی۔ اگر سیاسی پلیٹ فارم پر آتے تو نہج البلاغت کے خطبات اور مولانا ابوالکلام آزاد کی آتش بیانی اور ابن خلدون کا مؤرخانہ حافظہ نظروں کے لئے آ جاتا، ان کے دن رات کے مشاغل درس و تدریس کے علاوہ ان کی ریاضت اور کثرت نوافل و طویل قیام و سجود کو دیکھنے سے عقل عاجز آ جاتی کہ شاید اس مرد مجاہد کو ایک گھنٹہ بھی نیند و آرام کا بستر ہوتا ہے یا نہیں۔ خدمت خلق کی وہ لا انتہا تڑپ وہ سوز وہ بے چینی جو ہر وقت بے قرار رکھتی تھی آپ اس کا مداوا ایثار سے، تحمل سے، تفکر سے، تدبر سے، دلیری سے، خلوص سے، علوم سے، اخلاص سے، حلم سے، شجاعت سے، متانت سے اور بہترین کردار سے کرتے ہوئے ہر طرح کامران و کامیاب کامگار ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ ہمارے شیخ الحرم و شیخ الحدیث و شیخ الاسلام و شیخ مصلحین و ملاذ المجد دین، سند العالمین و امام العارفین وارث الانبیاء مرقدوۃ الاولیاء حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نظیر مثیل کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ نہ علم و عمل میں نہ اخلاص اخلاق میں نہ ایثار و کردار میں نہ اتباع حق اور نہ شیوہ کرم و کمال حلم میں اور نہ اللہ اور اس کے شعائر کے حفظ و قیام کی راہ میں خدا کی قسم ہم نے کسی کو نہ دیکھا۔ جس کے اقوال و افعال سے نبوت محمدی کے انوار اور ان کی سنت کی روشنیاں چھن چھن کر نکلتی ہوں۔ الاسید حسین احمد مہاجر مدنی رح کو ان کو دیکھ کر دل بے اختیار بول اٹھتا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اتباع اس کو کہتے ہیں۔"

اللہ اللہ جس خوش نصیب کو حضرت شیخ کی صحبت کا صرف ایک لمحہ بھی نصیب ہوا تو اس کا سینہ علوم و معارف کا خزینہ بن گیا اور وہ شراب معرفت سے سیراب ہو کر اٹھا اور اس کا دل بے ساختہ پکار اٹھا کہ اس دور تاریکی میں بھی نور معرفت سے معمور اللہ والے موجود ہیں اور وہ لاریب یہی ہمارے شیخ الحدیث ہیں۔

آپ نے دریائے امدادیؒ و رشیدی کو ایک چلو سمجھ کر پی ڈالا مگر ڈکار نہ لی۔ آپ نے نسبت چشتیہؒ صابریہؒ سے ہزارہا انسانوں کے سینے منور کئے اور خاموش رہے آپ کے تمام اعمال آپ کی جملہ حرکات و سکنات محض اخلاص پر مبنی تھیں آپ کے ہر فعل سے للہیت ٹپکتی تھی۔ آپ کے کسی فعل سے اغراض پرستی یا نفسانیت کی بو تک نہ آتی تھی۔ آپ نے ہمیشہ فروتنی اور کسر نفسی سے زندگی گذاری ہمیشہ اپنے نام سے پہلے ننگ اسلاف تحریر فرماتے۔ حالانکہ باطنی کمالات کے علاوہ علوم ظاہریہ میں بھی، شیخ الحدیث فقہ و امام تفسیر و ادب جیسے کمالات و فیوضات کے مالک تھے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے ضبط کا ایسا مادہ عطا کیا تھا کہ برطانوی درندوں کے لا انتہا ظلم و استبداد کے باوجود چٹان کی طرح مضبوط رہے اور آپ کے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔

کسی کے علم و دولت اقتدار و حکم جبر و تشدد سے عمر بھر مرعوب نہ ہوئے حضرت شیخؒ کی تقاریر میں بناوٹ اور تصنع کا نام تک نہ ہوتا بلکہ حقائق و اخلاص لفظوں اور جملوں میں دل کے ٹکڑے اور سینے کے داغ پوشیدہ ہوتے۔ آپ جو بات کہتے۔ صدائے درد معلوم ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے ہر سوز باطن کے اجزا لبوں سے باہر آ رہے ہیں۔ آپ کی تقریر چمکتی ہوئی برق، بھڑکتا ہوا شعلہ سلگتی ہوئی آگ گرجتی ہوئی رعد، امنڈتا ہوا سیلاب، برستا ہوا بادل چھپتا ہوا طوفان اور گاہے گاہے آدیا مگر یاس کی نہیں یقین و ایمان کی پختگی ٹپکتی نظر آتی۔ جن حضرات نے حضرت شیخؒ کے حلقہ درس میں فیوضات حاصل کئے ہوں گے۔ اور دیگر علما و فضلا کی علمی و روحانی استعداد کا جائزہ لیا ہو گا تو ان کو اور صرف ان کو ہی کما حقہ، احساس ہو سکتا ہے کہ یہاں کا کیا عالم تھا۔ اللہ اللہ دورۂ بخاری شریف میں کیا کیا نکات حل ہو جاتے اور طلبا کتنے علمی گوہر ہائے نایاب سے مالا مال ہو جاتے۔ نماز پڑھاتے تو معلوم ہوتا کہ کلام الٰہی دوسروں تک پہنچانے میں اپنی اور اپنے مالک حقیقی کی عظمت کا احساس ہے۔ اللہ اکبر کہتے تھے تو معلوم ہوتا کہ فضائے آسمانی کی ہر صدا کی سرزنش چھن گئی۔ قرأت شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ ذوالفقار حیدر کرارؓ میدان جہاد میں ابھرتی تیرتی چمکتی سمٹتی کاٹتی لچکتی لرزتی کوندتی گرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے اور ذوق دارفتگی میں مقتدی تو کیا درو دیوار جھوم اٹھتے۔ حضرت شیخؒ ہمیشہ فرش پر دو زانو بیٹھ کر کھاتے، سادہ اور صاف لباس پہنتے، ہر ایک سے خندہ روئی سے پیش آتے جو شخص فرط عقیدت سے بوقت مصافحہ بوسہ دست مبارک کا ارادہ کرتا ہاتھ جھٹک دیتے بدعات شرعیہ کے سخت مخالف، مذہبی عقائد میں کٹر سلوک میں بے لوث، قامت بلند مگر خوش وضع و متوسط، رنگ گندمی، اعضا مضبوط پیشانی کشادہ و پرُ شکوہ جس پر ماہ منور کی طرح چمکتا ہوا داغ سجود، آنکھوں میں جلال مزاج میں استقلال، نظر تیز و پر اعتماد آواز میں کڑک و لچک کے ساتھ دھمک بھی، آپ

کا سیاسی مسلک جمعتہ العلمار کا تھا۔ فرماتے علمار نے تو اس وقت سے آزادی کا علم بلند کر رکھا ہے۔ جب ہندوستان میں آزادی کے نام سے بھی کوئی آشنا نہ تھا اور آزادی و بغاوت ہم معنی الفاظ سمجھے جاتے تھے۔ کئی علما پھانسی پر چڑھائے گئے ان کے گھر ڈھائے گئے۔ ان کو کالے پانی بھیجا گیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ تم لوگ تو ہندوستان کی تاریخ سے واقف ہو۔ کچھ بیچارے علما کی بھی تاریخ پڑھی ہوتی۔ آج ہندو آزادی کے معاملے میں اپنے آپ کو سب سے اونچا اور سب سے آگے سمجھتے ہیں لیکن کوئی ہندو آزادی کے معاملہ میں علمار سے آنکھ برابر نہیں کر سکتا۔ جہاد کی تحریک جس طرح شروع کی۔۔ اس پر مفصل و مسلسل اور دل نشیں تقریر فرمائی۔ علما کے بہت سے تباہ شدہ خاندانوں کا حال سنایا۔ جو لوگ شریک ہوئے اور ان کا جو انجام ہوا۔ ان ہر ایک کے نام تاریخ سنہ اوقات بہ تفصیل سنائے۔ پھر فرمایا۔ حضرات برا نہ ماننا صرف اس بات کا خیال رہے کہ ایسی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے جس سے کبھی تم کو آئمہ اسلاف کی روحوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

حضرت شیخؒ جب دوسری مرتبہ ڈیرہ اسماعیل خاں تشریف لا رہے تھے بندہ بہمراہ دیگر رفقا دریا خاں اسٹیشن پر بہر استقبال حاضر تھا۔ ضلع میانوالی بھکر، دریا خاں شہر کے علاوہ گرد و نواح کے علما و فضلا صوفیائے کرام و مشائخ عظام کا بے پناہ ہجوم اسٹیشن پر حضرت شیخؒ کی آمد کی انتظار میں بے قرار تھا۔ جس وقت حضرت شیخؒ کی گاڑی سٹیشن پر ٹھہری فضائے آسمانی شیخ الاسلام زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ جس ڈبہ میں حضرت شیخؒ تشریف فرما تھے۔ پھولوں کے انبار سے پُر بہار بنا ہوا تھا۔ تمام اسٹیشن معطر ہو گیا۔ شہر ڈیرہ اسماعیل خاں کی نصف سے زیادہ آبادی حضرت شیخؒ کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ جس وقت حضرت شیخؒ کی کار آگے آگے اور دیگر بے شمار کاریں اور ٹانگے پیچھے پیچھے روانہ ہو رہے تھے۔ اللہ اللہ اس وقت اللہ تعالےٰ کی عظمت یاد آئی اور دل بے ساختہ پکار اٹھا کہ العظمت للہ، سبحان اللہ، آج تک ان آنکھوں نے ایسی شان و شوکت کا نظارہ کہیں نہ دیکھا۔ دریائے سندھ سے شہر ڈیرہ اسماعیل خاں تک اتنا عدیم النظیر و عظیم و الشان جلوس حضرت شیخؒ کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ جس کو دیکھ کر ہر شخص بے اختیار کہہ رہا تھا کہ ایسا بے مثال اور کثیر التعداد جلوس جس میں صوبہ سرحد کے اکثر اضلاع اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے گرد و نواح پنجاب اور وزیرستان کے تمام علمار و صلحائے کرام و مشائخ عظام اس کثرت سے موجود ہوں۔ اس کی نہ کوئی مثال مل سکتی ہے اور نہ آج تک کوئی نظیر، حضرت مولانا محمد صاحب مفتی و خطیب مسجد جامع کلاں اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے ممتاز تلامذہ حضرت مولانا الحاج مولوی سراج الدین صاحب و مولانا علاؤالدین صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ صالحیہ جن کو دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے ہوئے صرف پندرہ ماہ ہوئے تھے۔ حضرت شیخؒ پر والہانہ نثار ہو رہے تھے اور اس شمع رشد و ہدایت و علوم و معارف کے گرد پروانہ وار جھوم رہے تھے۔ حضرت شیخؒ کے عقیدت مند جو دیوانہ وار حضرت شیخؒ کے مصافحہ کے لئے لشکل ہجوم حضرت شیخؒ کی کار پر ٹوٹ پڑے تو یہ جان نثاراں شیخؒ پوری قوت سے ہمت سے ہجوم کو ہٹاتے جاتے اور اس راہ میں جو تکلیف پیش آتی اسے بخوشی برداشت کرتے۔ اور پھر بھی احتمال ہوتا کہ آپ کی طبع مبارک ناساز نہ ہو جائے اسی شب حضرت شیخؒ نے نواب آف ڈیرہ کی قلعہ نما کوٹھی کے وسیع میدان میں ۵۰ ہزار کے مجمع میں وہ تقریر دل پذیر فرمائی، کہ ۵ گھنٹہ تک تمام مجمع مبہوت و متحیر ہو گیا اور دوران تقریر میں ایسا سکون و سکوت کا عالم طاری ہوا کہ ۵ گھنٹہ کے وقفہ میں ایک فرد کو اپنی جگہ سے ہلتا نہ دیکھا گیا حضرت شیخؒ نے ہندوستان کے سابقہ اور دور برطانیہ کی اقتصادی حالت پر روشنی ڈالی یورپین مورخ و سیاحوں یعنی کیپٹن الیگزنڈر ہملٹن وغیرہ کے حوالوں سے شاہان مغلیہ کے وقت کی اقتصادی حالت تمام اشیاء خوردنی کے نرخوں کے ساتھ سنہ و تاریخ بیان فرماتے ہوئے برٹش ڈپلومیسی کو درندگی، سفاکی اور بربریت ثابت کیا دوسرے روز نوافل اشراق سے فراغت کے بعد مریدوں کی بیعت کرنا شروع کیا۔ بے شمار لمبی لمبی چادروں کو آپس میں باندھ کر سیکڑوں اشخاص کو بیک وقت چادر پکڑنے کا اذن فرماتے اور آپ بھی اسی چادر کا کونہ پکڑ کر بیعت کا شرف بخشتے جاتے ایک دو گھنٹہ کے بعد ہزار ہا علمار و صلحار کو شرف بیعت سے بیک وقت مشرف فرمایا۔

اور تمام تشنگان طریقت کو بحر چشتیہ صابریہ سے ایسا سیر فرمایا کہ ایک ایک کو عارف باللہ بنا دیا۔ ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عارض ہوا کہ حضرت میری آنکھ کو فلاں تکلیف ہے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ مولوی سراج الدین صاحب آپ کو اجازت ہے اس شخص کی آنکھ پر قصیدہ بردہ کا فلاں شعر پڑھ کر دم کر دیجئے۔ دوسرے روز وہ شخص ملا تو کہا واللہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا مجھے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہ! اللہ اللہ ایسے صاحب تاثیر، اللہ تعالےٰ کو پیارے ہو گئے اور ہم بدبخت بے سہارے ہو گئے۔ دارالعلوم دیو بند کی صدارت کے لئے قدرت کی فیاضیوں نے ہمیشہ بے مثال شخصیت عطا فرمائی۔ لیکن آپ کا حادثہ ارتحال عالم اسلام کے لئے ایک ایسا سانحہ عظیم ہے جسے صدمہ جانکاہ کہنا چاہیئے۔ آج علمائے اسلام کا تاج چھن چکا اور دارالعلوم دیو بند کا وہ ستون گر گیا جس پر تمام عمارت کے قیام کا انحصار تھا آج یہ ایک ایسی کمی واقع ہوئی جو شاید ایک عرصہ تک پوری نہ ہو سکے آہ قاسمیؒ رشیدیؒ محمودیؒ تجلیات کا آفتاب عالم تاب کامیاب مسافت طے کرتا ہوا لاکھوں انسانوں کے دلوں کو علوم و معارف سے روشن کرنے کے بعد گود خاک میں زینت پذیر ہو گیا

انا للہ و انا الیہ راجعون

علم کا اب تباہ باغ ہوا دیو بند آج بے چراغ ہوا[1]

[1] "بے چراغ محمد" حضرت شیخؒ کا تاریخی نام بھی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح

از جناب بم عبدالرحمن صاحب (لودھیانوی) بی اے بی ٹی پرنسپل عثمانیہ کالج شیخوپورہ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی ولادت ۱۹ شوال سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹) کو دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بوقت ۱۱ بجے بمقام بانگر میو ضلع اناؤ میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد ماجد مولانا حبیب اللہ (خلیفہ مجاز مولانا فضل الرحمن صاحب) مدرس تھے۔ تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا۔ آپ نسباً حسینی سید ہیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گھر حاصل کی۔ تیرہ برس کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دیو بند کے دارالعلوم میں داخل کرائے گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں جب آپ کے والد ماجد بقصد ہجرت معہ اہل و عیال عازم حجاز ہوئے تو حضرت والا کو بھی اپنی معیت سے سرفرازی بخشی۔ اور اس قافلہ مہاجرین نے حجاز مقدس پہنچ کر رحمت للعالمین کے جوار رحمت کو اپنے لئے فلاح دارین سمجھا اور وہیں پر اقامت فرمائی۔ اس طرح حضرت والا کو مشیت ایزدی نے اکتساب فیض نبوت اور تحصیل مجد و شرف کے وہ گراں قدر مواقع عطا فرمائے جو سب کو نہیں ملا کرتے صرف ان ہی کو بخشے جاتے ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں دو کتب خانے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے۔ ایک کتب خانہ شیخ الاسلام اور دوسرا محمودیہ، ان دونوں کتب خانوں میں علاوہ مطبوعات کے مختلف علوم و فنون پر نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں۔ جن سے مرحوم و مغفور کو استفادہ کا پورا موقع ملا۔ عسرت اور معیشت کی تنگی قیام مدینہ میں آپ کے شامل حال رہی۔ مدینہ منورہ میں آپ کا خانوادہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ مگر صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر تمام حضرات قناعت فرماتے تھے۔

ادبیات کی تکمیل اپ نے مدینہ منورہ کے معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہ رح سے یہیں پر فرمائی جو علمائے حجاز میں اپنی ادبیت کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ تکمیل علوم کے بعد آپ نے تدریس کی خدمت شروع کر دی اور تقریباً اٹھارہ برس تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے۔ تشنگان علوم دین ہزاروں کی تعداد میں آپ سے سیراب ہوئے۔ حرمین اور نجد و حجاز دیگر مقامات پر اب بھی آپ کے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ سنہ ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا محمود حسن رح شیخ الہند بھی حجاز تشریف لے گئے۔ ادائیگی حج کے بعد دربار نبوت میں حاضری دی۔ اسی سال جمال پاشا، انور پاشا مرحوم بھی دربار رسالت میں حاضری دینے آئے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شریف حسین نے انگریزوں کی شاطرانہ اور پر فریب سازش میں آ کر ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت شیخ الہند رح نے اپنے خدام اور رفقا کی معیت میں اسی موقع پر ترکوں کی حمایت میں سرحدی قبائل کو آراستہ کیا، انور پاشا اور جمال پاشا کو نقشہ کار کی تشکیل میں کافی مدد پہنچائی۔ حاجی ترنگ زئی مرحوم، مولانا لطف الرحمن مولانا فضل ربی، مولانا فضل محمود، مولانا محمد میاں عرف مولانا محمد منصور، مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر اشخاص سے اس موقعہ پر بہت کچھ کام لیا۔ مگر مشیت کسی اور ہی نقشہ کی تشکیل کر رہی تھی۔ ادھر عرب کی بساط سیاست الٹ جانا قضائے مبرم بن چکا تھا۔ اور ادھر ان مردان کار کے لئے ابتلاو آزمائش کی نئی راہیں باز ہو رہی تھیں۔ انگریزی چالیں کامیاب ہو گئیں۔ حضرت شیخ الہند رح مالٹا میں ساڑھے چار برس معہ دیگر رفقا و تلامذہ جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی مرحوم، مولانا عزیز گل، مولانا عبدالوحید مدنی مقید رہے۔

اسارت مالٹا سے رہائی

بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہند مع اپنے خدام کے مالٹا سے رہا کئے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں تحریک خلافت اور استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی۔ حضرت مدنی مرحوم اپنے شیخ محترم کی ہم رکابی میں ہندوستان آئے۔ حکومت ترکی جو جنگ عظیم سے پہلے دول عظمیٰ میں شمار ہوتی تھی۔ اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس کے ممالک محروسہ پر مکمل جراحی کر کے ہر ایک حصہ جسم کو یورپ کے کفن فروشوں نے تقسیم کر لیا تھا۔ حجاز، عراق، شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ پاکستان بنا کر برطانوی تولیت میں دے دیئے گئے تھے۔ حضرت مدنی رح کے نزدیک آزادی ہند ملت اسلامیہ کے نزدیک ممالک اسلام کی آزادی کا واحد ذریعہ تھا اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ جانا مفید نہیں سمجھا اور مصروف کار ہو گئے۔ جیسا کہ آپ کے عربی مکتوب میں وجہ اقامت ہند مترشح ہوتی ہے۔ آپ بغرض اعلا کلمۃ الحق ارض مقدسہ سے آزادی ہند کا پروانہ لے کر وارد ہندوستان ہوئے اور کارکنان قضا و قدر کے فیصلہ ازلی کے مطابق حضرت شیخ الہند رح کی تحریک اور آپ کے مشن کی کامیابی کا سہرا آپ کے ناصیۂ جمال احمدی کا طغرائے امتیاز بنا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح نے اپنے بجائے حضرت مدنی رح کو دارالعلوم کلکتہ کی صدارت سے نوازا۔

چنانچہ آپ کی مجاہدانہ زندگی، خلوص ایثار، صداقت، حق پرستی، فراخ حوصلگی بلند ہمتی، تواضع و خاکساری اور آپ کا علم و عمل، زہد و تقویٰ وغیرہ ایسے اوصاف کمال تھے کہ جو لوگ شیخ الہند سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے حقیقی جانشین قرار دیا۔

(ماخوذ از مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام)

حضرت مولانا مدنی مرحوم ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد جو انھوں نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۳۰۹ھ میں جبکہ ان کی عمر ۱۳ سال تھی دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ کی خوش نصیبی سے آپ کو شیخ الہند محمود الحسن ایسا شفیق و رفیق استاد ملا۔ شیخ الہند فارغ اوقات میں بھی اپنے تلمیذ کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ اس معمر معلم کو اپنے خورد سال متعلم سے اتنا

تعلق خاطر تھا کہ جیسے کسی شفیق باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے شاگرد بھی ہو تو پھر ایسا نیاز مند کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند کے یہاں کسی نے فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرا دو۔ بھنگی تو ملا نہیں مگر نالی صاف بھی ہو گئی اور دھل بھی گئی۔ بعد میں پتہ چلا اور وہ بھی حضرت شیخ الہند کے خادم مولانا محمد جلیل کیرانوی کے ذریعہ کہ نوجوان شاگرد حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے کیچڑ صاف کیا۔

علوم متداولہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ ۱۳۱۶ھ میں جب مولانا کے والد ماجد نے معہ افراد خاندان بیت اللہ شریف کا قصد فرمایا تو پیر و مرشد نے اپنے صالح مرید کو یہ ہدایت کی کہ وہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت با برکت میں چندے حاضر باش رہ کر منازل سلوک طے کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مولانا چند ماہ حضرت مہاجر مکی رح کے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔

آپ دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد ہی جب کہ آپ شاب نشاء بعبادۃ اللہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے آپ نے ۱۸ برس تو حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب و سنت کے پاس اور ان کے زیر نظر رہ کر درس کتاب و سنت دیا۔ جس سے مشرق و مغرب کے ہزار ہا عوام و خواص اور علماء و فضلا مستفید ہوئے اور حجاز، شام، مصر و عراق، ترک و تاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔

اس دوران میں آپ دیو بند بھی آتے جاتے رہے اور احاطہ دارالعلوم میں اپنے فیوض سے طلبہ کو اور اپنے برگزیدہ استاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے فیوض سے خود اپنے آپ کو مستفید فرماتے رہے۔ مگر مستقل قیام اور مسلسل افادہ کا کام مدینہ منورہ ہی رہا۔ قیام مدینہ کی انتہا اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمت اللہ کی اسارت مالٹا کے موقعہ پر اپنے استاد کی معیت میں پانچ برس مالٹا کے اسارت خانہ میں رہے گویا حرم نبوی کے اشارے پر حرم شیخ میں مکرر داخل ہوئے اور اس مسلسل فیضان صحبت سے آپ کو وہ اخلاقی عروج حاصل ہوتا رہا جو اس مقام پر ہو سکتا تھا۔ رہائی کے بعد ہندوستان تشریف آوری ہوئی گو آپ کو حق تعالےٰ نے آپ کے مرکز نشوونما (دارالعلوم دیو بند) کے لئے منتخب فرمایا جو درحقیقت اپنے وقت کے اولیا و اقطاب کی نسبتوں کا مجموعہ اور مرکز تھا گویا حرم شیخ کے بعد حرم شیوخ میں داخلہ ہوا اور اکابر و اسلاف کی گدی نے آپ کو اپنے لئے چن لیا تقریباً ۳۱ برس سے مسلسل اس مرتبہ علمی کی صدارت تدریس کی مسند آپ کے فیوض سے مالا مال ہو رہی تھی۔ پس ۱۸ برس مرکز اسلام (مدینہ منورہ) میں رہ کر استفادہ فرمایا۔ ۵ برس مالٹا کی جہاد پرور خانقاہ میں آپ کو وقت کی سب سے بڑی شخصیت سے خصوصی استفادہ کا یکسوئی کے ساتھ موقع میسر ہوا تھا اور ۳۱ برس سے آپ دیو بند میں مصروف افادہ و استفادہ رہے حرم مدینہ نے آپ میں جمعیت کی روح پھونکی۔ مالٹا نے آپ میں جامعیت کی لہر دوڑائی۔ اور دارالعلوم دیو بند نے آپ کو اجتماعیت کے نام پر لا کھڑا کر دیا۔
(حضرت قاری محمد طیب صاحب)

جدّہ میں ایک ماہ گزرنے کے بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو یہ نظر بند استاد و شاگرد مصر پہنچے وہاں سے ۲۲ر ربیع الاول کو انھیں سویز لایا گیا۔ جہاں سے دو ڈیڑھ درجن گوروں کی مسلح گارد کی حراست میں انھیں قاہرہ پہنچا دیا گیا۔ ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا روانہ کئے گئے۔ ۱۲ر فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچے۔

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کی بنیاد پڑ چلی تھی شیخ الہند اور ان کی معیت میں مولانا بڑی گرم جوشی سے اس تحریک میں شریک تھے شیخ الہند کی عمر نے وفا نہ کی وہ آغاز تحریک کے چھ ماہ بعد رحلت فرما گئے۔

مولانا کے کاندھوں پر شیخ الہند کی جانشینی اور مسلمانان ہند کی سربراہی کا بوجھ آ پڑا۔ ۱۹۲۱ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کانفرنس میں حضرت مولانا مدنی نے ایک تجویز پیش کی۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا حرام ہے اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ یہ بات فوجی مسلمانوں کے ذہن نشین کر دے"

۱۹۳۹ء میں جب دوسری جنگ شروع ہوئی تو آپ نے جبری بھرتی کے خلاف ایک موثر تحریک چلائی۔ جس کے نتیجہ میں ۲۵ر جون ۱۹۴۲ء کو آپ گرفتار کر لئے گئے اور نینی تال اور مراد آباد جیلوں میں قیدی اور نظر بند کی حیثیت سے تین سال گزارنے پڑے۔

بہ ہر حال آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تاریخ وطن کے ایک اہم باب کا درجہ رکھتا ہے آپ نے نہ صرف مسلمانوں میں روح آزادی پھونکنے میں بے مثال قربانیاں دیں بلکہ آپ کی بے لوث خدمات سے غیر مسلم بھی متاثر تھے۔

مثالی زندگی

شیخ الاسلام مولانا مدنی رح کی پوری زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ جن لوگوں نے حضرت مدنی رح کو قریب سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ اسلاف کی ایک چلتی پھرتی یادگار تھے آپ کو دیکھ کر ہر شخص یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوتا کہ تاریخ نے ورق الٹا کر حسین احمد کی شکل میں قرون اولیٰ کے ایک اولوالعزم مسلمان کو سرزمین ہند پر دوبارہ لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

روز مرّہ کی زندگی پر مولانا کو اس قدر کنٹرول تھا کہ ایک ایک لمحہ نظم اوقات کے تحت بسر ہوتا۔ عبادات، ذکر و فکر، تزکیہ نفس، درس و تدریس اور سیاسیات میں انہماک اور مشغولیت اپنے اپنے اوقات میں ہوتی۔ مولانا مدنی رح کی زندگی کے جس گوشہ پر بھی نگاہ ڈالئے آپ اس جلیل القدر شخصیت کو مثالی ہی پائیں گے۔

صبرو استقامت

شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی جیسا صابر و شاکر اور صاحب استقامت انسان اب کہاں ملے گا؟ جو رحمت للعالمین کے عشق و محبت میں سراپا رحمت بن کر زندگی بسر کرتے غالباً ۱۹۴۵ء ہی کا ذکر ہے۔ حضرت مدنی رح دیو بند سے لاہور تشریف لا رہے تھے جب آپ

جالندھر ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو مسلم لیگ کے چند والنٹیروں نے ننگے ناچ اور پتھروں کی موسلا دھار بارش سے آپ کا استقبال کیا اس سفر میں مولانا حفظ الرحمن آپ کے ہمراہ تھے۔ انھیں سینہ پر گہری چوٹ لگی۔ شر پسندوں کی طرف سے تشدد کی جب انتہا ہو گئی تو حضرت مدنی رح نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ بھائی اس طرح میری جان لینے سے اگر تمہیں آزادی نصیب ہو سکتی ہے تو میری نگاہ میں یہ سودا مہنگا نہیں میں اس کے لئے حاضر ہوں۔

جالندھر کے بعد امرتسر حتیٰ کہ لاہور تک کے تمام اسٹیشنوں پر آپ کا اسی طرح استقبال کیا گیا لیکن کیا مجال ہے۔ حضرت مدنی رح نے اُف تک کی ہو یا ان لوگوں کے حق میں زبان سے بد دعا کی ہو ایسے مواقع پر آپ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے: خدا ہماری قوم کو جہالت سے بچائے یہ بے سمجھ لوگ ہیں"

چونکہ حضرت مولانا مدنی مرحوم کی زندگی کامل اتباع نبوی اور صحابہ کرام کی تقلید تھی اس لئے آپ میں مقصد کی لگن اور نصب العین کا وہ عشق تھا کہ جس کے لئے کوئی قربانی نہ تھی جسکو آپ نے گوارا ... [illegible] مصیبت بھی ایسی ... کو آپ نے دین حق کے لئے نہ سہا ہو اور کوئی تکلیف نہ تھی۔ جس کا استقبال مسکراتے ہوئے نہ کیا ہو عشق کا وہ جنون ہے کہ جب سر پر سوار ہوتا تو محبوب کی طلب میں کوئی مزاحمت نہیں رہتی اور شوق منزل راہ کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی زندگی کا خمیر عشق کی ولولہ انگیزیوں اور جنون نوازیوں سے تیار ہوا تھا اور آپ کی ذات میں ایثار و قربانی اور سرفروشیوں کی ایک دنیا آباد تھی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو آپ کو دوسرے مشائخ سے ممتاز کرتی تھیں کیوں کہ صحابہ کرام کے اتقاء و اخلاص کا پیمانہ جہاد فی سبیل اللہ تھا وہی روح اور سچی تڑپ آپ کے اندر بھی اپنا برابر کام کرتی رہی تھی۔

آپ کی تبلیغ کا سب سے اہم مرکز صوبہ بنگال و آسام رہا ہے۔ ۱۹۲۳ء تا ۱۹۳۰ء تقریباً ۶ سال آپ بنگال میں اور سلہٹ (آسام) کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ کی اصلاح کے لئے آپ کا قیام رحمت خداوندی اور تائید غیبی تھا اس عرصہ میں درس و تدریس کے علاوہ آپ کا خاص مشغلہ تبلیغ و اصلاح تھا آپ نے صرف چھ سال ہی وہاں قیام نہیں کیا بلکہ سطح آب کو سطح زمین کی طرح تبلیغی دوروں کا جولان گاہ بنایا۔

جالندھر شہر مسجد مولوی غلام رسول صاحب میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہ تشریف فرما تھے اور مجمع علماء اور صلحا کا تھا حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو۔ پہلے تو ہم ایسے ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو جہاں شیخ مدنی رح کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا۔

حضرت مولانا مدنی مرحوم کی ذات گرامی اسلاف کرام کی آخری یادگار، علم و عمل حریت و جہاد، زہد و تقویٰ، عرفان و ہدایت کی وہ دولت تھی جس کی نظیر صرف کتابوں یا صدی اول میں ملتی تھی

حضرت مدنی مرحوم کی بوجہ اپنی غیر معمولی مصروفیات، مشاغل درس و تدریس، کثرت اسفار، واردین و صادرین کے ہمہ وقت ہجوم، سیاسی خدمات، اتنا موقع نہیں ملا کہ آپ نے جتنی خدمات زبان اور دست و بازو سے انجام دی ہیں اتنی ہی قلم کے واسطہ سے نہ دے سکے گو بعض اوقات مختلف علمی اور سیاسی مضامین، خطبات صدارت وغیرہ کی صورت میں خاص دوامی کے ماتحت قلم بند بھی فرمائے۔ مگر حضرت مرحوم کے متوسلین نے وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعہ اپنے مختلف احوال پیش کر کے تشفار نفوس کی جو تدابیر پوچھیں تو ان کے جواب میں کچھ علمی، سیاسی اور عرفانی جواہر پارے مکتوبات کی شکل میں مولانا نجم الدین اصلاحی کی کوشش سے ہو گئے۔ ایں ہم غنیمت است

ان مکاتیب اور ان کے مکنون علوم و احوال کی فہرست پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہی اس جامعیت کا اندازہ لگا لینا مشکل نہیں رہتا جو آپ کی ذات میں ودیعت کی گئی تھی سب ہی کے لئے اس مختصر مگر جامع ذخیرہ میں سامان سیرابی موجود ہے ان جامع ہدایات سے اگر ایک طرف طریقت و معرفت کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ تو دوسری طرف شریعت کے حکمیات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور جہاں شریعت و طریقت کے مکاتبات کھلتے ہیں وہیں سیاست ادارت اور قومی معاملات کے دقائق بھی واشگاف ہوتے ہیں۔ غرض بیک وقت شریعت طریقت، اور سیاست کے دقیق اور حیات بخش نکتے اس طرح زیب قرطاس ہو گئے ہیں۔ کہ ایک جو یائے حقیقت و معرفت ایک متلاشی احوال طریقت اور ایک طلبگار شریعت و سیاست کے لئے یکساں شفاء اور سکون روح کا سامان بہم پہنچا سکتے ہیں

حضرت مولانا مدنی رح مرحوم کی ذات گرامی کے متعلق گراں قدر شہادتیں:۔

۱۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں۔ باوجود سیاسی اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا۔

(حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)

۲۔ میرے نزدیک ابوحنیفہ، زمانہ بخاری اوانہ جنید و شبلی مولانا مدنی رح کی مدح میں کچھ لکھنے والا مادح خورشید مادح خود است کا مصداق ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل و کمال، تبحر فی العلم السلوک سے شاید ہی کسی اہل بصیرت کو اختلاف ہو۔ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد و ہدایت اور علم و فضل کے درخشاں آفتاب ہیں۔

(مولانا محمد زکریا کاندھلوی مظاہر العلوم سہارنپور)

۳۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانہ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں ان کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں اور ان کے اخلاص و دیانت کے مخالف بھی معترف ہیں اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان کی صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔

(مفتی کفایت اللہ صاحب)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ صاحب دورۂ حدیث میں شریک تھے کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا تھا جس کا جواب

باقی صفحہ ۳۸ پر

حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات پر

از جناب سید امین گیلانی شیخوپورہ

اُف نہ پُوچھ اے دوست تو مرگِ حسینؒ احمدؒ کا غم
اہلِ دِل کے سر پہ گویا گر پڑا کوہِ الم

پاسباں مِلّت کا مذہب کا محافظ اُٹھ گیا
اُس کے دم سے تھا مسلمانوں کا دُنیا میں بھرم

فقر و درویشی نے بخشا تھا اُسے ذوقِ بلند
پائے استحقار نے ٹھکرا دیئے جاہ و حشم

وُہ مجسّم فہم و حِکمت وُہ سراپا عزم و شوق
اُس نے لہرایا حصارِ علم پر اپنا عَلَم

اُس کو قُدرت نے دیا وہ علم و تقویٰ کا مقام
محترم تھا سب کی نظروں میں عرب ہوں یا عجم

اُس کا دل تھا واقفِ اسرارِ مرگ و زندگی
اُس کی ضرب هُو نے توڑا ہے طلسمِ جامِ جم

اہلِ دِل کی بات جھٹلاویں یہ ہمت کس میں ہے
اہلِ دل کھاتے ہیں اکثر اُس کے تقویٰ کی قسم

ناز کر تو اپنی رفعت پر زمینِ دیوبند
تو رہی اِک باخُدا کے مُدّتوں زیرِ قدم

آسمانِ علم و عرفاں کا وُہ سُورج چھپ گیا
چھا گئی قلب و نظر کی بستیوں پر شامِ غم

کون سمجھائے گا اب دین اور سیاست کے نکات
اب کہاں سے جا کے لائیں گے حسینؒ احمدؒ کو ہم

اہلِ دِل پوچھیں گے اب کس سے طریقت کے رمُوز
کس سے اب سمجھیں گے وُہ اس راستے کے پیچ و خم

کام دے گی تیغ جوہردار کا کس کی زُباں
نقشِ باطل کو کرے گا محو اب کس کا قلم

کس قدر یہ زخم گہرا ہے تمہارے تیر کا
دیکھتی جا! تھم ذرا اے گردشِ ایّام تھم

عُمر بھر اب یہ جگر کا زخم بھر سکتا نہیں
خُون برساتی رہے گی اب ہمیشہ چشمِ نم

کیوں نہ روئے عالمِ اسلام دردِ ہجر سے
چل دیئے شیخ العرب رخصت ہوئے شیخ العجم

موت ہے آخر کوئی کتنا بھی ہو اہلِ کمال
حیؔ و قیوؔم اک فقط ہے ذاتِ ربّ ذوالجلال

شہیدِ علم حضرت مولانا مدنی رح کے متعلق میرے تاثرات

(از جناب مولانا احمد صاحب ایم اے فاضل دیوبند)

مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑی سعادت یہ حاصل ہوئی کہ عالم اسلام کے سب سے بڑے چشمۂ علم و معرفت سے براہِ راست علمی پیاس بجھانے کا موقع ملا۔ جس کا شکریہ بارگاہِ الٰہی میں ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ مجھے بچپن ہی سے جب میں انگریزی پڑھتا تھا۔ دینی شغف تھا اور علمِ دین کے حصول کی تڑپ تھی۔ خصوصاً اقدس مآب حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہری و باطنی کمالات کی شہرت سُن کر اس آفتاب سے فیض یاب ہونے کے لئے بیتاب تھا۔ یوں تو ہندوستان کے متعدد مقامات پر دینی مدارس موجود ہیں۔ لیکن اس آیت من آیات اللہ کی کفش برداری کی تمنّا نے دیوبند کی طرف رہنمائی کی۔

مَیں نے آپ کے محاسن کا چرچا سُن کر اپنے تخیّل سے ذہن میں جو تصویر بنائی تھی اس سے آپ کو بدرجہا اعلیٰ پایا۔ کوہ وقار۔ میانہ قامت۔ سر منڈا ہُوا۔ مہندی سے رنگی ہوئی لمبی داڑھی۔ کشادہ پیشانی۔ چہرہ پر نور۔ متانت اور شرافت۔ کھدّر کا عمامہ اور کھدر ہی کا کرتہ اور پاجامہ۔

دارالعلوم کے متعلّم کی حیثیت سے اس مُقدّس اور برگزیدہ ہستی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مَیں اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ انسانیت کے لحاظ سے آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ زہد۔ تقویٰ۔ تقدّس۔ ایثار۔ اخلاص۔ امانت۔ دیانت۔ خشیت۔ تواضع۔ رحم۔ مروّت۔ ہمّت۔ عزم۔ استقلال۔ ہمدردی۔ للّٰہیّت۔ محنت۔ جفاکشی۔ ذوقِ عمل۔ صبر۔ تحمل۔ جود و سخا۔ عفو و کرم کے پیکر تھے۔ اس مرقعِ کمالات ہستی کے اوصاف بیان کرنے کی طاقت میرے قلم میں نہیں ہے۔ مَیں نے ایسا بلند کردار۔ دیندار۔ وضعدار۔ روادار۔ پرہیزگار۔ عالی ظرف۔ سادہ۔ مخلص۔ مستقل مزاج۔ ثابت قدم۔ بے نفس۔ عابد۔ زاہد۔ با اخلاق اور باخدا انسان نہیں دیکھا۔ آپ کی نظر ہر وقت اور ہر حال میں خدا پر تھی۔ تصنّع۔ نمود و نمائش اور کبر و نخوت سے کوسوں دُور تھے۔ ادنےٰ و اعلےٰ۔ امیر و غریب کے ساتھ یکساں بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ ایسی جامع فضائل ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

آپ اسلاف صالحین کی زندہ یادگار تھے۔ جن کی صوری و معنوی عظمت و جلال کا احاطہ اس مختصر مقالہ میں ناممکن ہے اس موضوع پر میرا قلم اُٹھانا چھوٹا مُنہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ آپ کے علمی تبحر کا اعتراف دشمنوں کو بھی ہے۔ قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ غرض تمام علوم متداولہ میں آپ کو بے نظیر بصیرت حاصل تھی۔ بعض فنونِ جدیدہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ بڑے بڑے علما عقیدت اور ادب کے ساتھ آپ سے استفادہ کرنے آتے تھے۔ ممالک عربیّہ میں بھی آپ ایک بلند پایہ محدّث اور علوم اسلامیہ کے منتہی مانے جاتے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی ہزارہا طلبہ آپ کے دریائے علم سے موتی نکالنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ بیک وقت عالمِ شریعت بھی تھے اور اہلِ طریقت بھی علومِ ظاہر کے معلّم بھی تھے اور مزکّی نفس مصلحِ باطن بھی۔ جامع منقول و معقول تھے۔ اگر آپ کو علوم مشرقیہ کا بولتا ہُوا کتب خانہ کہا جائے تو بجا ہے۔ عربی اور فارسی اہلِ زبان کی طرح بے تکلف بولتے تھے۔ اسی جامعیت نے آپ کی ذات ستودہ صفات کو دارالعلوم دیوبند کا مسند نشین جمعیۃ علماء ہند کا صدر اور عالمِ اسلام کا مرجع بنا دیا تھا۔

آپ صرف اہلِ علم نہیں بلکہ علم پر عامل بھی تھے۔ آپ کی پوری زندگی کتاب و سُنّت کی عملی تفسیر تھی۔ شریعت کے محض عالم نہیں بلکہ عاشق زار تھے۔ آپ کے دل۔ دماغ۔ قول اور فعل قرآن کے ترجمان تھے۔ آپ قال کے علاوہ حال کے رنگ میں بھی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کی مصاحبت میں میری زبان پر ہمیشہ یہ آیت جاری ہو جاتی تھی۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[۵۱]۔ اہل زمانہ نے آپ کو نہیں پہچانا۔ اِلّا ماشاء اللہ لیکن آئندہ نسلیں آپ جیسے حضرات کی بزرگی کا صحیح اندازہ لگائیں گی۔ جنھوں نے ایسے نازک دور میں مسلمانوں کی دستگیری کی۔

دیدہ ام مردے دریں قحط الرّجال

آپ کے معاملات سے آیت اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[۵۲] اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[۵۳] اور حدیث بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یاد آجاتی تھیں۔ حد درجہ حلیم۔ نرم خو۔ مہذّب۔ متین۔ خوش طبع اور شگفتہ مزاج تھے۔ مَیں نے آپ کو انسانیت اور اخلاق میں عام سطح سے اُونچا پایا۔ عوام کو علماء کی جس درشتی اور خشونت کی شکایت ہے آپ اس سے بالکل بری تھے۔ بلکہ سنجیدہ مزاج اور ظرافت کے بھی عادی تھے۔ آپ کی زبانِ حق ترجمان سے کبھی غیبت۔ عیب جوئی۔ نکتہ چینی۔ طعن و تشنیع اور سب و شتم کی کوئی بات نہیں سُنی گئی۔ آپ کی مجلس میں غیبت کی اجازت نہیں تھی۔ کسی کی دل شکنی آپ کے نزدیک گناہِ عظیم تھی۔ آپ اپنے شدید مخالفین کا ذکر بھی حقارت سے نہیں کرتے تھے۔ دشمنوں کے بھی خیرخواہ تھے۔ بلکہ ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے اور اس آیت کے مصداق تھے۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[۵۴]

"نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین" کے بموجب آپ کا نمایاں وصف تواضع و انکسار تھا۔ در اصل آپ نے اپنی خودی اور ہستی کو فنا کر دیا تھا۔ زمانہ کی سب سے جلیل القدر اور برگزیدہ شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے اپنے برتاؤ سے کسی میں یہ احساس تک پیدا نہیں ہونے دیا کہ آپ اس سے بڑے ہیں۔ آپ کی یہ خصوصیت ایسی تھی جس کا تصوّر بھی نہیں ہوسکتا۔ اور مجھے اس کے ذکر میں بھی تامّل ہوتا ہے۔ مجھ جیسے ادنےٰ کفش بردار اور بے حیثیت تلمیذ کو

---

۵۱ اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

۵۲ بیشک آپ کا اخلاق بہت بلند ہے۔

۵۳ بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

۵۴ اور غصّہ پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔

بھی اپنے خطوط میں مساویانہ مخاطب کرتے تھے۔ اور از راہِ کسرِ نفس و ذرّہ نوازی ایسے القاب عطا کرتے تھے جن کا مستحق نہ ہونے کی وجہ سے میرا سر ندامت سے جھک جاتا تھا۔ بعض حضرات نے ایک دفعہ کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اپنے بڑے کو لکھ رہا ہے۔ آپ کی عادت شریفہ ہی یہ تھی۔ میں نے ایک مرتبہ آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی عزت حاصل کرنے کی کوشش کی تو آپ نے زبردستی روک دیا۔ غرض آپ اپنے سلوک سے ہر درجہ کے شخص کو یہی باور کراتے تھے کہ وہ آپ ہی کی سطح پر ہے۔

اس عالمِ ربّانی نے "اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ" اور "طریقت بجز خدمتِ خلق نیست" پر کاربند ہو کر مخلوق کی امداد کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کی نفع رسانی کے لئے آپ کی زندگی وقف تھی۔ ان کو راحت پہنچانے کے لئے اپنی آسائش کو قربان کر دیتے تھے۔ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر بے قرار ہو جاتے تھے۔ خدمتِ خلق کے معاملہ میں اپنے پرائے اور دوست اور دشمن میں امتیاز نہیں کرتے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کو ایذا پہنچائی ان سے انتقام لینا تو درکنار وقت پر ان کی اعانت سے دریغ نہیں کیا۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے ان کی حاجت روائی کی۔ اور اسوۂ رسول کا نمونہ پیش کیا۔ آپ کا چشمۂ فیض کبھی خشک نہیں ہوا۔ آپ کا ابرِ کرم نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالمِ اسلام کے ہر تشنہ لب کے استقبال کو موجود رہا اور شجرِ اسلام کو آبیاری کرتا رہا۔ آپ ایک منارہ تھے جس کی روشنی میں علمِ دین کے بحرِ بیکراں میں بھٹکنے والی کشتیاں نشانِ راہ پاتی تھیں۔ ہزاروں علماء نے اس دریائے علم سے دُرِ آبدار نکال کر ملک کے طول و عرض میں اسلام و ایمان کا نور پھیلایا۔[۵۵] جس کے سامنے شرک و بدعت کی ظلمت روپوش ہوگئی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[۵۶]

بلے ہر جا شود خود آشکارا
سہارا چند نہاں بودن چہ یارا

ہندوستان کی تقسیم کے بعد ساڑھے تین کروڑ بھارتی مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ ان میں شدید خوف و ہراس اور کمتری و غلامی کا احساس پیدا ہوگیا۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور لاکھوں ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ متعدد علاقے ان سے خالی ہوگئے اور اندیشہ تھا کہ اس سرزمین میں ایک فرزندِ توحید باقی نہ رہے گا۔ بہت سے اکابر اور رہنما ان کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے۔ تعلیم یافتہ طبقہ تلاشِ معاش میں پاکستان کا رُخ کر رہا تھا۔ کیونکہ ہر شعبہ میں اقلیّت کا موقف کمزور ہو گیا تھا۔ ایسے ناموافق حالات میں حضرت اقدس اور آپ کے رفقاء نے کمرِ ہمت باندھی اور اپنی بصیرت افروز تقریروں اور تحریروں سے مسلمانوں کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کی اور دورہ اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اور رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر کے فضا کو سازگار بنانے کی سعی کی۔ ان کے حقوق کی حمایت کی اور ان کے قدم جمائے۔ ۱۹۴۷ء کے مقابلہ میں اب ان کی جو حالت قدرے سنبھلی ہوئی ہے۔ وہ آپ اور آپ کے متبعین کی مخلصانہ جدّوجہد کا ثمرہ ہے۔ الحمد للہ کہ یہ سرگرمی جاری ہے۔ جزاہم اللہ۔

مہمانوں کے بارے میں آپ کا عمل اس حدیث پر تھا۔ "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ" (اَوْ كَمَا قَالَ)[۵۷] آپ کی مہمان نوازی نے قدیم عرب کی یاد تازہ کر دی تھی۔ آپ کے دسترخوان کی وسعت ضرب المثل تھی اور اس پر ہر کس و ناکس کا خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ آپ اپنے کو مہمانوں کا خادم تصوّر کرتے تھے اور ان کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور بعض اوقات خود ان کا کام کرتے تھے۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن سُنا تھا کہ آپ کو ادنیٰ مہمانوں کے پاؤں دبانے میں بھی عار نہیں تھا۔ آپ کا دولت خانہ دراصل مہمان خانہ تھا جس میں ہر وقت ہر طبقہ کے مہمان بڑی تعداد میں موجود رہتے تھے آپ ان کی کثرت سے گھبراتے نہیں تھے بلکہ خوش ہوتے تھے۔ اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت خیال کرتے تھے۔

آپ میں دینی غیرت و حمیّت انتہائی درجہ کی تھی۔ امورِ شرعیہ اور بزرگانِ دین کا معمولی استخفاف بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ جس تقریب میں خلافِ شریعت رسوم ادا کی جاتی تھیں اس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اور اگر ناواقفیت کی بنا پر تشریف لے جاتے تھے تو معلوم ہونے پر چلے آتے تھے۔ منکرِ شرعی فعل پر آپ کو جلال آجاتا تھا۔

آپ عزیمت و استقامت کے پہاڑ تھے۔ اخلاقی جرأت اور حق گوئی آپ کا خاص جوہر تھا۔ جس سے دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت بھی آپ کو باز نہ رکھ سکی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں آپ نے برطانیہ کے موافق اور ترکوں کے خلاف فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی معیّت میں حریتِ وطن اور سودیشی اور ترکِ موالات کی آواز اس وقت اُٹھائی جب گاندھی جی نے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے بے باکی سے اعلان کیا کہ "میرے نزدیک کسی مسلمان کے لئے انگریزی فوج اور پولیس میں نوکری جائز نہیں ہے۔"

تقسیمِ ملک کے سلسلہ میں مسلمانوں کی اکثریت آپ کے سیاسی مسلک سے متفق نہیں تھی۔ اس مسلک کی صحت اور عدمِ صحت کی بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اگر آپ ہر دلعزیز اور مقبول بننا چاہتے تو اکثریت کی تائید کرتے۔ لیکن آپ نے طنز ملامت اور استہزا کی پرواہ کئے بغیر وہ راستہ اختیار کیا جسے آپ حق سمجھتے تھے۔ آپ کی توہین و تذلیل کی گئی، نظم و نثر میں ہجو لکھی گئی۔ آپ کے خلاف فتوے شائع کئے، جھوٹے الزام لگائے گئے۔ لیکن آپ نے کسی طاقت سے متاثر و مرعوب ہو کر اپنا اصول ترک نہیں کیا اور ضمیر فروشی نہیں کی۔ آپ کے پائے استقلال میں خفیف سی جنبش بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپ کو اپنے فیصلہ کی صداقت پر کامل اطمینان تھا اور آپ بلاخوف لومۃ لائم اس

---

۵۵ غلط فہمی نہ ہو کہ میں اپنے آپ کو ایسے حضرات میں شامل کر رہا ہوں۔ میں حضرت ممدوح کا بلا واسطہ فیض یافتہ ضرور ہوں۔ لیکن مجھے خدمتِ دین کی نہ توفیق ہوئی اور نہ اہلیت ہے۔

۵۶ جب حق آتا ہے تو باطل غائب ہو جاتا ہے۔ بے شک باطل غائب ہی ہونے والی چیز ہے۔

۵۷ جو شخص اللہ اور پچھلی چیز پر ایمان لائے اسے اپنے مہمان کی عزّت کرنی چاہیئے۔

پر مضبوطی سے قائم تھے۔ اظہار رائے میں آپ شمشیر برہنہ تھے۔

آپ معصوم نہیں تھے۔ اور اجتہادی غلطی کر سکتے تھے۔ آپ سے اختلاف کا حق ہر شخص کو حاصل ہے اور آپ کے سیاسی طرزِ عمل کو خطائے اجتہادی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کے حسنِ نیت اور اخلاص میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی جدّ و جہد میں حبِّ جاہ۔ طمع اور خود غرضی کا شائبہ نہ تھا۔ آپ کو نہ مدح و ذم کی پرواہ تھی نہ اجر و معاوضہ کی آرزو۔ آپ جو کچھ کرتے تھے اپنے نزدیک مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کرتے تھے۔ آپ کی رگ رگ میں اہلِ اسلام کا درد بھرا ہوا تھا۔ دُنیا کے کسی خطّہ میں مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو آپ کبیدہ خاطر اور مضطرب ہو جاتے تھے۔ اور اُن کی فلاح و بہبود کے لئے دُعا کرتے تھے۔ آپ کی للّٰہیت اور خلوص کا بیّن ثبوت یہ ہے۔ کہ جس سیاسی جماعت میں آپ شامل تھے اس سے آپ نے اپنی خدمت کی کوئی قیمت کسی شکل میں نہیں لی۔ اگر آپ کو دنیوی مال و زر کی خواہش ہوتی تو آپ امیر کبیر بن سکتے تھے۔ آپ کو بارہا جاہ و منصب و ثروت کے حصول کا موقع ملا۔ لیکن آپ کا دامن اخلاق موقع پرستی کے دھبّہ سے پاک تھا۔ قناعت۔ سیر چشمی اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ بہت سے تعلیمی اداروں کی جانب سے گرانقدر مشاہروں کی پیش کش کی گئی۔ لیکن آپ نے دارالعلوم کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ ذاتی مفاد کبھی آپ کے پیش نظر نہیں رہا۔ دوسرے کارکنوں نے اپنی خدمت کے صلہ میں دولت کے علاوہ عہدے حاصل کئے۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[۵۸]۔

آپ نے "حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ" (حدیث[۵۹]) کی تصدیق اپنے عمل سے کی۔ وطن کی آزادی کے لئے آپ کی قربانی اور ایثار اپنی نظیر آپ تھے۔ مالٹا اور ہندوستان میں مُدّتوں اسیر رہے۔ اور سیاسی تحریکوں میں جسمانی اور روحانی مصیبتیں جھیلیں۔ آپ آزاد ہندوستان کے معمارِ اعظم تھے۔ اور اُس تحریکِ حُرّیت کے علمبردار تھے جس کے بانی حضرت شاہ سید احمد شہیدؒ تھے۔ اور جس کا پرچم علماءِ اسلام ہر زمانہ میں لہراتے چلے آئے تھے۔ موجودہ جنگِ آزادی کے سپاہیوں کی فہرست میں آپ کا نام سب سے پہلے ہونا چاہئے۔

آپ جتنے بلند مرتبہ تھے اتنی ہی آپ کی زندگی سادہ اور درویشانہ تھی۔ آپ خالص کھدّر پہنتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ شفقت و مروّت سے پیش آتے تھے۔ نوکروں پر بھی سختی نہیں کرتے تھے۔ معذرت قبول کرتے تھے۔ چہرہ پر ایک خاص نور اور سکون اور تمام حرکات و سکنات میں عالمانہ وقار تھا۔ آپ کو کبھی مشتعل اور غضب ناک نہیں دیکھا گیا۔ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر بھی اطمینانِ قلب محسوس ہوتا تھا۔ جس کا سبب آپ کا تعلق باللہ اور توکل علی اللہ تھا۔

آپ کی قوّتِ ارادی۔ علو ہمت۔ مستعدی اور جفاکشی کے حیرت انگیز اوصاف آپ کو دوسرے علما سے ممتاز کرتے تھے۔ آپ درس کے دوران میں طلبہ کو اکثر نصیحت کیا کرتے تھے کہ "جفاکش بنو۔" آپ جیسا انتھک کام کرنے والا کم از کم علما کے طبقہ میں نہیں دیکھا گیا۔ بڑھاپے میں اتنی محنت کرتے تھے جس کے متحمل اچھے اچھے نوجوان نہیں ہو سکتے۔ آپ کی لغت میں "فرصت" کا لفظ مفقود تھا۔ بیماری میں بھی آپ کو کامل آرام میسّر نہیں ہوتا تھا — آرام طلبی سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ محنت شاقّہ سے ایسا عشق تھا کہ اس کے مقابلہ میں صحت کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ بیماری کو خاطر میں بھی نہ لاتے تھے۔ اور اس میں بھی کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ مرض الموت میں ایک معالج نے تشخیص کے بعد یہ رائے دی تھی کہ آپ کی قوّتِ ارادی ہی آپ کی زندگی کا باعث ہے۔ ورنہ مرض تو علاج کی حد سے گزر چکا ہے۔ بیماری میں بھی چہرہ کی بشاشت قائم رہتی تھی اور معمول میں بہت کم فرق آتا تھا۔ آپ کی کثرتِ مشاغل کو دیکھ کر دوسرے لوگ گھبرا جاتے تھے مگر آپ نہ اُکتاتے تھے۔ محنت کے بعد استراحت جانتے ہی نہ تھے۔ کئی دن بعد پچھلی رات کو سفر سے واپس آئے۔ ریل میں سو نہیں سکے۔ لیکن فجر کی نماز وقت پر پڑھائی۔ اور اس کے بعد طلبہ کو حدیث کا درس دینے لگے۔ روزانہ صدہا آدمیوں سے ملاقات۔ میزبانی۔ خطوط کا جواب۔ ہونے والے مریدوں کی بیعت۔ تعویذ نویسی۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل۔ تلاوتِ کلام اللہ۔ مطالعۂ کتب، اوراد و وظائف اور گھنٹوں بخاری و ترمذی جیسی عظیم الشان کتابوں کا درس جو امتحان کے قریب رات کے بارہ یا ایک بجے تک جاری رہتا تھا۔ پھر نماز تہجد کی پابندی اور نمازِ فجر کی امامت۔ ہر کام میں تندہی اور جانفشانی اور وقت کی پابندی کا اہتمام آپ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح "قائم اللّیل و فارس النّہار" تھے، اور زبانِ حال سے فرماتے تھے۔

نہ ایم آمدہ از پے دل خوشی
مگر کہ پے رنج و محنت کشی

(نظامیؒ)

آپ کی مصروفیت کو دیکھ کر میں دل میں سوچا کرتا تھا کہ اطبّا روزانہ سات آٹھ گھنٹے سونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ حضرتِ اقدس کو چوبیس گھنٹے میں کتنی دیر نیند نصیب ہوتی ہے۔ اور اس قلّتِ نوم کے باوجود آپ کی تندرستی کیونکر قائم ہے۔ یہ در اصل آپ کی کرامت تھی۔ جسے آپ کی روحانی قوّت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مشغول انسان کو تصنیف و تالیف کے لئے وقت کیونکر مل سکتا ہے۔ چنانچہ آپ کی ...... حیثیت ایک مصنّف کی نہیں تھی۔ لیکن آپ کی دو کتابیں نقشِ حیات اور مکتوبات ایسے اہم تاریخی اور علمی کارنامے ہیں، جو رہتی دُنیا تک باقی رہنے والے ہیں۔ ان سے آپ کے تبحّرِ علمی۔ وسعتِ نظر اور فہم و بصیرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ حکمت و معرفت کا بحرِ ذخّار ہیں۔ جن میں بڑے بڑے دقیق مسائل حل کر دیئے گئے ہیں۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

آپ اُن علماء کرام اور مشاہیرِ اسلام اور مشائخِ عظام میں تھے جو تدریس کے لئے پیدا ہوئے تھے، اور فی الواقع آپ نے تعلیم و تدریس کا حق ادا کر دیا۔ آپ اسم بامسمّٰی کی بہترین مثال تھے۔ آپ کا تاریخی نام چراغ محمد تھا۔ آپ زندگی بھر علومِ نبویہؐ کے لعلِ شب چراغ بن کر اطرافِ عالم میں ضیا باری کرتے رہے۔ آپ کی تدریس کے سب سے بڑے مرکز حرمِ نبویؐ اور دارالعلوم دیوبند تھے۔ یوں تو آپ جملہ علومِ مروّجہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ لیکن آپ کا

---

۵۸ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔
۵۹ وطن کی محبت ایمان کا جز ہے۔

خاص مضمون حدیث تھا۔ جس سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ دیوبند میں آپ صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری اور ترمذی پڑھاتے تھے۔ ہر ایک کی جلد اول طلبہ سے پڑھواتے تھے اور جلد ثانی کی قرأت خود کرتے تھے۔ قرأت اس خطبہ سے شروع کرتے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ہدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم و شر الامور محدثاتہا و کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار و بالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن المغیرۃ البردزبۃ الجعفی البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ / ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ السلمی الترمذی ونفعنا بعلومہ آمین۔ و بہ قال ....

آپ کی قرأت ایسی مؤثر۔ جاذب توجہ اور دلکش تھی کہ سامعین اپنے اندر دینی حرارت محسوس کرتے تھے اور مسلسل گھنٹوں سماعت کرنے پر بھی اُکتاتے نہیں تھے۔ میرے کان آج تک آپ کے لہجہ کی حلاوت محسوس کرتے ہیں۔

درس کے وقت آپ کے سامنے حدیث کی دوسری کتابیں بھی رکھی ہوتی تھیں۔ ایک حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے متعدد کتابوں سے ہم مضمون روایتیں پیش کرکے اسناد اور متن کی بنا پر تقابل اور تطبیق کرتے تھے۔ رجال کی توثیق و تضعیف۔ جرح و تعدیل۔ ائمہ و فقہا کے اختلافات۔ مسائل فقہیہ کے دلائل و مآخذ وغیرہ پر سیر حاصل بحث کرکے اپنے مذہب کو راجح ثابت کرتے تھے۔ درس میں ہر استعداد کے غبی اور ذکی۔ ملکی اور غیر ملکی طلبہ موجود ہوتے تھے۔ اس لئے آپ کی تقریر ایسی سلیس اور عام فہم ہوتی تھی کہ ہر ایک کی سمجھ میں آجاتی تھی۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو واضح اور سادہ الفاظ میں سلجھا دیتے تھے۔ طالب علم کے کسی سوال یا اعتراض پر خواہ کیسا ہی غیر معقول ہوتا ہرگز ملول یا چیں بہ جبیں نہ ہوتے تھے بلکہ کامل التفات اور سکون اور خندہ پیشانی سے سُن کر دلائل و براہین سے جواب دیتے تھے اور جب تک اس کا اطمینان نہ ہوجاتا تھا برابر مؤثر طریقہ سے کلام جاری رکھتے تھے۔ آپ کا بیان نہایت واضح۔ جامع۔ شگفتہ۔ رواں۔ شیریں۔ متین۔ دلنشین۔ بے تکلف اور فاضلانہ ہوتا تھا۔ جس سے عامی اور عالم یکساں محظوظ ہوتے تھے۔ آپ ہمیشہ مخاطب کے علم و عقل اور مذاق کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ کی پُرجوش تقریر سماں باندھ دیتی تھی۔ اگر کوئی آپ کے دلائل سے قائل نہیں ہوتا تھا۔ تو آپ اپنے عقیدہ اور خیال کو اس پر جبراً ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اور لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ[10] پر عمل کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ بخاری کے سبق میں ایک طالب علم نے ایک اختلافی مسئلہ میں آپ کے دلائل سُن کر کہا کہ "میرا اطمینان نہیں ہوتا۔ مجھے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا فتویٰ راجح معلوم ہوتا ہے۔" ....

.... آپ نے کسی ناگواری کے بغیر فرمایا کہ "آپ شافعی ہو جائیے" انہوں نے عرض کیا کہ "مدرسہ تو احناف کا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ "احناف کے نزدیک شوافع گمراہ نہیں ہیں۔"

روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے کہ سُننے والا آپؐ کے کلمات گن سکتا تھا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی تقریر کا انداز بھی یہی تھا۔

آپ میں علمی تعصب نہیں تھا۔ ہر امامؒ کا نام احترام سے لیتے تھے۔ اور طلبہ کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ "جس طرح باپ کے علاوہ چچاؤں کی بھی تعظیم واجب ہے۔ اسی طرح اپنے امام کے ساتھ دوسرے اماموں کی بھی توقیر کرنی چاہیئے۔ میں درس میں اپنے مذہب کو دیگر ائمہ کے مذاہب پر جو ترجیح دیتا ہوں اس سے ان کی تنقیص مقصود نہیں ہوتی۔"

ایک دفعہ ترمذی کے درس میں خوارج اور شیعہ کے متعلق ایک افغان متعلم کے استفسار کے جواب میں فرمایا "تکفیر ایشاں جائز نیست۔"

جہاں تک مجھے علم ہے آپ خود ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ اور درس میں اس کا خاص التزام فرماتے تھے لیکن شفقۃً طلبہ کو اس کا مکلف نہیں کرتے تھے۔

درس کے دوران میں حسب موقع طلبہ کو اخلاق و اعمال کی اصلاح اور کتاب و سُنّت کے اتباع اور الحاد و بدعت سے اجتناب کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کے روح پرور درس میں شرکت ایمان کو تازہ کرکے عمل کا جذبہ پیدا کرتی تھی۔

آخر آسمانِ علم و فضل کا یہ نیّر درخشاں تقریباً پون صدی تک عالم اسلام کو اپنی نُورانی کرنوں سے منوّر کرکے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ[11] کے فرمان واجب الاذعان کے بموجب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ یہ عالم ربّانی۔ علوم نبویہؐ کا حامل۔ شریعت و طریقت کا جامع۔ مکارم اخلاق کا مجسمہ۔ تقویٰ و طہارت کا پیکر۔ امت کا سہارا۔ غریبوں اور مسکینوں کا دستگیر۔ حاجتمندوں کا مرجع۔ طلبہ کی امیدوں کا مرکز۔ رئیس الاحرار۔ سیّد الابرار والاخیار۔ علماء کا سردار۔ نادار مسلمانوں کا سالار غمگسار۔ اسلام کا جان نثار۔ دہر ناپائیدار میں اپنے بے شمار معتقدین کو اشکبار و دل فگار چھوڑ کر اپنے پروردگار کے دربار دار القرار میں حاضر ہوگیا اور ان شعروں کا مصداق بن گیا۔

اَنْتَ الَّذِیْ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ بَاکِیًا
وَالنَّاسُ حَوْلَکَ یَضْحَکُوْنَ سُرُوْرًا
فَاحْرِصْ عَلٰی عَمَلٍ تَکُوْنُ اِذَا بَکَوْا
فِیْ وَقْتِ مَوْتِکَ ضَاحِکًا مَّسْرُوْرًا[12]

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ[13]

حضرت اقدسؒ کی وفات سے صرف دار العلوم

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

[10] دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔

[11] جب ان کی اجل آجاتی ہے تو ایک ساعت بھی مؤخر اور مقدم نہیں ہو سکتے۔

[12] تو وہ ہے جو اپنی پیدائش کے وقت رو رہا تھا اور تیرے گرد لوگ مسرت سے ہنس رہے تھے۔ پس ایسے عمل کی خواہش کر کہ تو اپنی موت کے وقت خوشی سے ہنستا ہو اور لوگ روتے ہوں۔

[13] اے اطمینان حاصل کرنیوالے نفس اپنے رب کی طرف لوٹ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں۔

قصیدہ تاریخیہ بوفات حضرت شیخ العرب والعجم

مولانا حسین احمد صاحب صدر دارالعلوم دیوبند

از جناب جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

ان دار العلوم لیس لعد — فضلها فی العلی وان تحسد
بیشک بزرگیوں میں دارالعلوم دیوبند کے فضائل — شمار میں نہیں آسکتے اگرچہ ان پر حسد کیا جاتا ہے

فی السیاسات کان شیخ الهند — بعد محمود الذی ارشد
آپ سیاست میں شیخ الہند تھے۔ — حضرت مولانا محمود حسن مرشد کے بعد

کان صدر المدرسین بها — شیخ اهل التقی حسین احمد
اس میں صدر المدرسین تھے — تمام اہل تقویٰ کے شیخ حسین احمد

کنز الاسرار فی معارفه — مخزن للنکات اذ درس
معرفت میں رازہائے سربستہ کے خزانہ تھے — علمی نکات کے مخزن تھے جسوقت کہ انکی تاک لگی جاتی تھی درس میں بھی تقریر میں بھی

کان فی مسجد النبی له — فیض درس الحدیث طول مدد
مسجد نبوی میں جن کے درس حدیث کا — فیض مدتوں جاری رہا ہے

باهت الماهرین خطبته — مسکت الناذعین منه الرد
تقریر کے ماہران کو انکی تقریر حیران کر دیتی تھی — بحث والوں کو جواب خاموش کر دیتا تھا

ثم فی اسر مالطة — رحله نحو سلهط قد شد
پھر اسیری مالٹا کے بعد — آپ نے سلہٹ کا قصد فرما دیا

فیلسوف مبین حکما — فی العویصات حل منعقد
ایسے بڑے فلسفی جو احکام شرع کی حکمتیں بیان کرنے والے تھے — مشکلات علوم میں انہی سے عقد حل ہوتے تھے۔

لم یدعه الحبیب فی القصوی — عن دیوبند وهو لا یفرد
مولانا حبیب الرحمن صاحب نے ان کو دیوبند سے — دور مقام پر نہ چھوڑا اور وہ الگ چھوڑنے کی چیز نہ تھے

ادب الدرس عبد خدمته — ادب النفس منه یستجد
علم ادب ان کا خدمتی غلام تھا — تہذیب نفس انہی سے حاصل کی جاتی تھی

زان دار العلوم عظمته — ما عرین ولیس فیه اسد
دارالعلوم کو انکی عظمت نے چار چاند لگا دیئے — وہ شیر بیشہ ہی کیا جس میں شیر نہ ہو

والکمالات یفخرن به — واحد فی الجمیع بل احد
غرض سب کمالات ان پر فخر کرتے تھے — وہ سب کمالوں میں اسوقت ایک یکتا تھے

سید السادة الکرام له — فی جمیع المکارم سودد
تمام بڑے بڑے سرداروں کے سردار جنکو — جن کو سب کمالات میں سرداری حاصل تھی

آه دار العلوم منقطع — فیك للصدر مسند مسند
افسوس اے دارالعلوم آج تجھ میں — مسند حدیث صدر سے خالی ہے

عند درس الحدیث مر یری — علماء الزمان فی ابجد
ان کے درس حدیث کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا — کہ سب علمائے زمانہ ابھی الف بے جیم میں ہیں

قال لی قائلون "فات فیوض" (۱۳۷۷ھ) — فلهم "لا یموت فیض رشد" (۱۳۷۷ھ)
مجھ سے کہنے والوں نے کہا کہ سب فیض فوت ہو گئے — اُن کا جواب یہ ہے کہ کوئی فیض نہیں مرتا۔

بحر کل العلوم قاطبته — منبع الفیض حین یسترشد
تمام کے تمام علوم میں ایک سمندر — فیض کا چشمہ تھے جب باطنی استفادہ کیا جاتا تھا

"لاح شیخ الوری حسین احمد" (۱۳۷۷ھ) — ملجاء الامة ملاذ الغد (۱۹۵۷ء)
حضرت مولانا حسین احمد ساری مخلوق کے شیخ ظاہر ہوئے — ساری امت کی پناہ گاہ اور کل کا سہارا

فیض عرفانه جزاه الله — ناب عن شیخنا رشید احمد
آپ کا فیض معرفت اللہ بہت جزا دے — ہمارے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی نیابت کرتا تھا

قیل فی ارخ عام رحلته — رضی الله عن حسین احمد (۱۳۷۷ھ)
آپ کی سال وفات کی تاریخ میں عرض کیا گیا ہے — کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہیں۔

ایڈیٹر عبد المنان چوہان

پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ گیٹ سے شائع ہوا

بقیہ شہید علم صفحہ ۳۲ سے آگے

دیوبند اور جمعیۃ العلماء نہیں بلکہ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کے مطابق عالم اسلام یتیم ہوگیا۔ آپ کا انتقال دُنیائے فضل و کمال کا قیامت خیز حادثہ ہے۔ آپ اس بزم کی آخری شمع تھے۔ جس کے ارکان حاجی امداد اللہ رح۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح۔ حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح۔ حضرت مولانا انور شاہ رح حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رح۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رح حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی رح۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح وغیرہم جیسے تابناک ستارے تھے۔ اس بابرکت نورانی محفل کے یہ سب چراغ یکے بعد دیگرے گل ہوچکے تھے

داغ فراقِ صحبتِ سب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔

یہ شہیدِ علم مردہ نہیں ہے بلکہ اس جہانِ فانی سے کوچ کرکے زندہ جاوید ہوگیا۔ کیونکہ عشقِ الٰہی نے اس کے دل کو زندہ کرکے جریدہ عالم پر اس کی دائمی حیات کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اسکا نام تاریخ اسلام اور تاریخ وطن میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائیگا۔

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز
مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند

آج مسندِ علم خالی ہے۔ محفلِ شریعت بے رونق ہے۔ مجلسِ طریقت میں سناٹا ہے۔ بزم اخلاق بے نور ہے۔ فضائے رشد وہدایت تاریک ہے۔ ایوان حکمت و عرفان سنسان ہے۔ زمین و آسمان ماتم کناں ہیں۔ جن و ملک نالاں ہیں، انسان حیران و پریشان ہیں۔ تمام جہان میں آہ و فغاں ہے۔ مِلّتِ بیضا اپنے روحانی مربّی اور محسن کے سایہ سے محروم ہوکر سرگرداں ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

شیخ الاسلام اور شیخ العرب والعجم آج ہم میں نہیں ہیں۔ اُمّتِ مسلمہ اس کے فراق کا داغ کھاکر تڑپ رہی ہے۔ تعزیت کے جلسے کئے جا رہے ہیں۔ مرثیے لکھے جا رہے ہیں۔ تحریر و تقریر کے جوہر دکھلائے جا رہے ہیں۔ مرحوم کے علمی اور رُوحانی کمالات بیان کئے جا رہے ہیں۔ صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ ریڈیو سے ماتمی پروگرام نشر کئے جا رہے ہیں۔ ختم قرآن کیا جا رہا ہے۔ پیغام بھیجے جا رہے ہیں۔ ان کی شایانِ شان یادگاریں قائم کرنے کے لئے تجویزیں پیش ہو رہی ہیں۔ لیکن جو گرانقدر متاع ہم سے چھن گئی ہے، اس کا بدل نظر نہیں آتا۔

شیخ الحدیث جسمانی طور پر ہم سے جُدا ہو گئے۔ ہماری مادی آنکھیں ان کو چاروں طرف ڈھونڈتی ہیں اور نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن ان کی رُوح نہیں مری۔ کیونکہ ان کا کام ان کے نام کے دوام کا ضامن ہے جو طالبانِ حق کی پیاس بُجھاتا رہے گا۔ اور ان میں پاک اور کامیاب زندگی بسر کرنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی امنگ پیدا کرے گا۔

اس شمع علم کی بہترین یادگار یہ ہے کہ اس کے پروانے یعنی تلامیذ اور مریدین اس کی پیدا کی ہوئی دینی حرارت کو مرنے نہ دیں۔ بلکہ اس سے علم دین کی روشنی پھیلائیں۔ اور اسلام اور اہلِ اسلام کی خدمت میں کسی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ حضرتِ اقدس سے عقیدت و محبت یہی تقاضا کرتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ ۵

وَآخرُ دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

۵ بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مال کو جنّت کے عوض میں خرید لیا۔

بقیہ مجالس ذکر صفحہ ۱۲ سے آگے۔

سیاست سے کیا تعلق؟ روتی گیا کر گھر آئے ہو تو اب آخرت کی فکر کرو۔ صحبت سے رنگ چڑھتا ہے۔ رنگ ہے قرآن۔ رنگ فروش ہیں علمائے کرام۔ اور رنگ ساز ہیں صوفیائے عظام۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (سورہ البقرہ۔ رکوع ۱۶ پ۱)۔

ترجمہ: (اللہ کا رنگ۔ اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے) میں کہا کرتا ہوں کہ اگر انسان پر قرآن مجید کا رنگ چڑھ جائے تو یہ اس میوہ کی طرح ہو جاتا ہے جس کو دیکھنے سے آنکھوں کو سرور حاصل ہو۔ سونگھا جائے تو ناک خوشبو کا لُطف اُٹھائے اور زبان پر رکھا جائے تو خوش ذائقہ معلوم ہو۔ معدہ میں جائے تو مقوی ثابت ہو۔ قرآن مجید کی تعلیم اور اللہ والوں کی صحبت میں انسان اس قسم کا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں اس قسم کے حضرات محسنین ہیں۔ اگر نہ دل میں ایمان ہے اور نہ اعمال میں اسلام ہے تو یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے ہاں قبیح ہیں۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو اس دنیا سے اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں محسنین بن کر جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا الہ العالمین

محبوب آقا کی یاد میں

آخری دیدار کی ایک جھلک

ازقلم جناب قاضی محمد زاہد الحسینی

ہمارے محبوب آقا جن کا تاریخی نام چراغ محمد ہے اور حسین احمد کے نام سے جلال و صبر کا پرچم چودھویں صدی کے پُر فتن دَور میں لہراتے ہوئے ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو محبوب حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے مغربی پاکستان کا دورہ ۱۹۴۶ء میں فرماتے ہوئے صوبہ سرحد کو اپنے قدوم سے شرف بخشا۔ مجھے ۲۷ر جنوری ۱۹۴۶ء کو پتہ چلا۔ تو میں خوشی و مسرت کے جذبات ساتھ لے کر پشاور کے ارادہ سے جب نوشہرہ سے کچھ آگے گذرا تو بر لب سڑک کھڑے ہوئے مشتاقان دید سے معلوم ہوا کہ حضرت ابھی نوشہرہ تشریف لا رہے ہیں۔ میں وہیں بس سے اُتر کر ان جان نثاروں کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کوکبہ جلالؒ جمال حسینیت کا پرچم لہراتا ہوا جلوہ افروز ہوا۔ تقریباً چار میل کا فاصلہ کافی دیر میں طے ہو کر جلسہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں پہلے سے تقریر کا انتظام ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تقریر کے بعد حضرتؒ نے ارشادات سے نوازا۔ پروگرام ختم ہونے پر میں نے واپسی کا پوچھ لیا۔ آپ نے حضرت بادشاہ گل صاحب سے فرما دیا کہ وُہ پروگرام بنا دیں۔ حضرتؒ تو کسی اور جگہ تشریف لے گئے اور میں سیدھا گھر چلا آیا۔ یہاں آ کر مشتاقانِ دید کو اطلاع کر دی۔ کہ کل ۲۸ جنوری کو جمال احمدؐ کا مظہر اور صبر حسینؓ کا علمبردار کیمبلپور سے گذرے گا۔ چنانچہ اکثر احباب ۲۸ر کو کیمبلپور پہنچ گئے۔ شام کو حضرتؒ کے استقبال اور زیارت کے لئے مسلمانانِ کیمبل پور کا ایک انبوہ جس کی قیادت میں سید میر حضرت شاہ صاحب مرحوم ایڈووکیٹ پیش پیش تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ گاڑی کے پہنچنے پر حضرتؒ نے سب سے مصافحہ فرمایا۔ اور اسٹیشن کے برآمدہ میں نماز با جماعت ادا فرمائی۔ جس کے امام وُہ خود بنے۔ جو امام الاتقیا تھے۔ جب ریل کیمبل پور سے چلی تو یہ سیہ کار بھی ڈبے میں سوار ہو گیا۔ ٹکٹ پہلے ہی راولپنڈی کا لے رکھا تھا گاڑی میں کھانا گرم کیا گیا اور اس بدکار نے میزبانوں کے بادشاہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ کتنا پُر لطف اور پُر کیف وہ منظر تھا۔ جب کھانے کے بعد پھل لئے تو ان سنگتروں کو بہترین قرار دیا جو اس سیہ کار نے پیش کئے۔ حالانکہ وُہ کھٹے تھے۔ مگر دو دفعہ وہی تناول فرمائے۔ غرض تو یہی تھی کہ ایک غیر مخلص خادم کی دلجوئی کی جائے۔ کھانے کے فوراً بعد آرام اور سکون سے ناآشنا وجود پاک اپنے برتھ پر لیٹ گیا۔ خلاف معمول لیٹنا بھی کسی رحمت نوازی کا پیش خیمہ تھا۔ احقر آگے بڑھا اور پاؤں پنڈلیاں دبانے کی سعادت حاصل کرنی شروع کر دی۔ دل میں ڈر رہا تھا کہ یہ پیکرِ انکسار مجسمہ عجز و تواضع فوراً مجھے روک دیں گے۔ مگر اس آن دلربائی کے قربان کچھ بھی نہ فرمایا۔ جی کھول کر سعادت حاصل کی۔ حتیٰ کہ گولڑہ کے اسٹیشن پر ریل آ کر کھڑی ہوئی۔ راستہ میں کسی سٹاپ پر نہ پوچھا۔ یہاں فرمایا کون سا اسٹیشن ہے؟ عرض کیا حضرت گولڑہ ہے۔ فرمایا گولڑہ شریف! حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ و قدس سرہٗ کے گلشن صابریؒ کا ایک گلدستہ یہاں بھی محو عطر پاشی ہے۔ شاید اس لئے یاد فرمایا۔ راولپنڈی پہنچنے پر پلیٹ فارم پر تشریف لائے اور نماز با جماعت ادا فرمائی۔ خود ہی امامت فرمائی۔ میں دل میں بڑا خوش تھا کہ چلو کم از کم یہ دو نمازیں تو دربار رب العباد میں مقبول ہوں گی۔ جو فخر العبّاد کی امامت میں ادا کر رہا ہوں۔ مگر کیا خبر تھی کہ یہ شام اور عشاء کی نماز جس طرح آفتاب عالمتاب کے غروب کی علامت ہیں۔ اسی طرح اس آفتاب ہدایت ماہتاب رشد و فلاح کے آخری سفر کی ایک وارننگ ہے۔ نماز کے بعد ڈبے میں تشریف لائے۔ اور اپنی سیٹ کو چھوڑ کر اس سیٹ پر جلوہ نما ہوئے جو پلیٹ فارم کی طرف تھی۔ میں باہر آ کر کھڑا ہو گیا فرمایا۔ قاضی صاحب چائے تو پلایئے حالانکہ چائے کا سب سامان ساتھ موجود چولھا موجود۔ پھر ایک کفش پوش کو یہ فرمانا اگر دلربائی نہیں تو کیا ہے؟ میں دوڑا۔ چائے فروش سے کہا۔ اس نے کہا۔ چینی تو نہیں۔ شکّر کی چائے مل سکتی ہے۔ (اس زمانہ میں چینی نایاب تھی) پیالی بنا کر لایا۔ پیش کرتے ہوئے عرض کر دیا۔ کہ حضرت شکّر کی ہے۔ فرمایا۔ یہ ہی بہتر ہے۔ بڑے مزے سے نوش فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی چل پڑی اور آہستہ آہستہ وُہ دلوں کو منّور کرنے والا محبوب چہرہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انوار کی بارش سے نوازے

آہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از جناب عزیز القاسمی خانیوال

آ رہی ہے ہند سے مجھ کو صدائے دردناک ہند کا وہ ماہِ تاباں ہو گیا اب زیرِ خاک
اب فضائے دہر غم سے ہو گئی ہے سوگوار کس کے غم میں رو رہا ہے آسماں بھی زار زار
اب زمینِ دیوبند کی چشم ماتم اشکبار اب فضائے ہند ساری ہو گئی تیرہ و تار
جانشینِ شیخِ ہند اب چل دیے سوئے عدم عالمِ اسلام میں اب چھا گیا درد و الم
اتباعِ سنتِ نبوی سراپا تھی حیات سونی سونی ہو گئی ہے اب فضائے کائنات
پرچمِ انگریز تو نے کر دیا تھا سرنگوں کانپ جاتا تھا تری نظروں سے افرنگی فسوں
مرحبا تجھ کو مجاہد عزم و ہمت مرحبا مرحبا اے بطلِ حریت علم و حکمت مرحبا
مرحبا اے پیکرِ ایثار و خدمت مرحبا مرحبا اے شمعِ عرفاں اے صداقت مرحبا
مرحبا علم و بصیرت اے شجاعت مرحبا مرحبا اے پیکرِ علم و سیاست مرحبا
اے زعیمِ ملتِ بیضا تجھے صد آفریں آفریں تجھ کو سراپا خدمتِ دینِ متیں
آفریں تجھ کو علمبردارِ حریت آفریں آفریں اے پیکرِ عزم و بسالت آفریں
آفریں تجھ کو سراپا خلقِ احسن آفریں آفریں تجھ کو سراپا ہند کے ماہِ مبیں
آفریں اے پیکرِ اخلاص و الفت آفریں آفریں صد آفریں شیدائے سنت آفریں
آفریں اے پیکرِ عشقِ رسولِ مصطفیٰ ﷺ آفریں صد آفریں اے پیکرِ صدق و صفا
آفریں اے حاملِ احکامِ قرآں آفریں آفریں صد آفریں مردِ مسلماں آفریں

اے مجاہد فی سبیل اللہ تجھے صد آفریں
چل دیا تو ہم کو بسمل کر کے اب خلدِ بریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب محمد عبدالکریم صاحب صابر ڈیرہ اسمٰعیل خان

اے کہ مخفی حُسنِ احمد ہے تری تصویر میں
نغمۂ داؤد مضمر ہے تری تقریر میں

وضع چوں صدیق پیشانی میں فاروقی جلال
خلق ذوالنورین سا مخلوق کی تسخیر میں

علم و تقوےٰ سے ہے ظاہر آپ کے شانِ علی
ہیں گلِ یکتا بہارِ گلشنِ شبیر میں

جذبۂ سرہند پنہاں ہے تیرے مکتوب میں
زورِ تلقینِ غزالی ہے تیری تحریر میں

آسمانِ علم کے لاکھوں ستارے چھپ گئے
اے حسین احمد تیرے اوصاف کی تنویر میں

جس نے صابر آج تک دیکھا نہ ہو نورِ نبی
دیکھ لے سید حُسین احمد کی وُہ تصویر میں

(بقیہ شیخ الاسلام صفحہ ۲۷ سے آگے)

حضرت مولانا مدنی رح نے دوسری نشست میں نہایت نرم و شائستگی سے دیا اور فرمایا کہ کسی دوست نے مجھ کو رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے تمام مجلس میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اور ہر طالب علم غیض و غضب میں بھر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کروں۔ فرمایا میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلہ اللہ داد پور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیج کر یا جا کر سمجھ لیا جائے۔ العظمت للہ، یہ حد باری کی انتہا ہے اگر جی میں آئے، تو آنحضرت صلعم کی اس حدیث کو سامنے رکھ لیا جائے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے اور اپنے نفس کو مغلوب کر دے۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے روایت ہے کہ یو پی میں میری تقریر تھی۔ رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا۔ بین الیقظہ والنوم مجھ کو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیروں کو دبا رہا ہے میں نے کہا خیر مجھ کو عادت بھی ہے کوئی دوست ہو گا مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جا رہی ہے۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنی ہیں فوراً پھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا۔ حضرت کیا ہم نے اپنے لئے جہنم جلنے کا خود سامان پہلے سے کم رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں۔ شیخ نے جواباً فرمایا۔ آپ نے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا۔ میں نے خیال کیا آپ کی نماز چلی جائے تو بتائیے حضرت! میں نے کیا غلطی کی ہے۔ اسی طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی ایک پیکر حلم و آشتی کا کریم نفسی و فراخ چشمی کا مرقع حق گوئی وحق پرستی کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ جن کی جنبش لب اور عرش اعظم کے درمیان وہ سلسلہ ربط اس کی عبدیت نے قائم کر دیا تھا۔ جس کی فہم و دید سے عقل وعلم کی آنکھیں محروم ہیں اور جس کے تسلیم و رضا کے شیوہ نے ہر تلخ کو شیریں اور ہر مصیبت کو راحت اور ہر آگ کو پانی بنا دیا تھا پس قابل رشک ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل تھا اور مبارک ہیں وہ لوگ جو صحیح نذر عقیدت اور اخلاص و محبت کے ساتھ آپ کی زیارت اور آستاں بوسی پہ فخر کرتے تھے کیونکہ ایسے درباروں میں صرف خلوص نیت و صدق عمل کی نذر مقبول ہوا کرتی ہے۔

لذت آشنایان عشق جانتے ہیں کہ اگر کسی کو شوق لقا ہے تو حضرت مدنی مرحوم کی طرح اپنے آپ کو اس راہ میں فناہ ہونے اور مٹا دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے غرض چشم فلک نے شاید دیکھا ہو لیکن اپنے جیسی ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں آنکھوں نے حضرت مرحوم و مغفور سا بردبار، جفاکش، مجاہد، متواضع منکسر، بے نفس، پاک مشرب، بے غرض سلوک کرنے والا، اپنے اللہ پہ پورا پورا بھروسہ رکھنے والا، مخلوق الہٰی کا بہی خواہ دیکھا نہیں جا سکا۔

بتاریخ ۵ر دسمبر بعد از نماز ظہر بوقت ۲¾ آپ کی روح مبارک جسد خاکی کو چھوڑ کر اپنے مولا کی آغوش رحمت میں چلی گئی ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب بوقت ۱۲½ بجے نماز جنازہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے پڑھائی اور دو گھنٹے متواتر آپ کی آخری زیارت دیو بند کے مرکزی ہال میں مشتاقان دید ایک ایک کر کے ہال میں داخل ہوتے تھے اور زار و نزار دوسری طرف سے باہر نکل جاتے تھے۔ بعد نماز تہجد حضرت مرحوم کے جسد بارک پیشرو صالحین کی آرام گاہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

(بقیہ حضرت شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات صفحہ ۷ سے آگے)

نشست و برخاست، کھانا پینا۔ وضع قطع ہر چیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن عادیہ تک کا اتباع کرتے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ دینی اور ملی معاملات کے علاوہ نجی زندگی میں حد درجہ خوش مزاج، خندہ جبیں اور شگفتہ طبع تھے۔ مہمان نوازی کی یہ کیفیت تھی کہ دونوں وقت کھانے پر اور ناشتہ پر لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ان کو کھلا کر قلبی راحت اور سکون محسوس کرتے تھے۔ متواضع اور منکسر المزاج اس درجہ کے کہ بس عجز و تواضع اور انکسار کا اس سے بڑھ کر تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں مولانا کے بعض واقعات ایسے ہیں کہ قلم کو ان کا ذکر کرتے ہوئے بھی حجاب آتا ہے حجاب آتا ہے۔ مولانا جامعیت کمالات و اوصاف کے اعتبار سے بے شبہ شیخ العرب والعجم تھے۔ وہ خود تو ۸۲ برس کی عمر میں رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔ جس کے لئے کم و بیش پانچ ماہ سے ان کی روح ہر وقت بے چین اور مضطرب تھی۔ لیکن عالم اسلام یتیم ہو گیا۔ مولانا کی وفات ملت بیضا کے لئے ایک سخت اور عظیم حادثہ ہے۔ جس کی تلافی کی بظاہر مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں۔ "نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ"
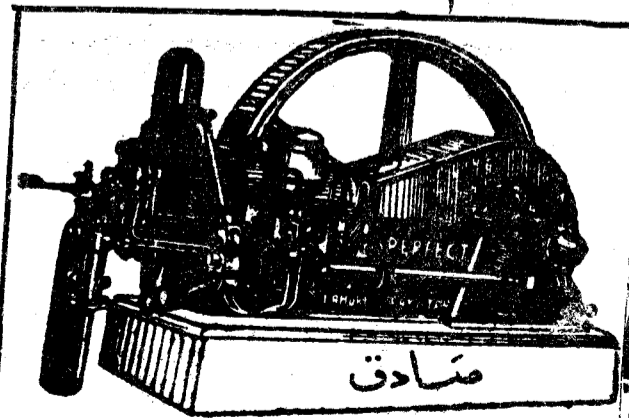
قابلِ قدر دینی کتب

(۱) مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب — 1/12/-
(۲) کتاب الصلوٰۃ — 1/8/-
(۳) دستور عمل — 6/-/-
(۴) تعارف قرآنی — 1/12/-
(۵) تصوف اور اُردو شاعری — 3/12/-
(۶) تاثریات — ترجمہ الندیات — 3/-/-
(۷) علم الکلام — 4/-/-
(۸) مسلمان اور غیر مسلم حکومت — 2/8/-
(۹) سومنات — 1/12/-
(۱۰) ختم نبوت کامل — 6/-/-
(۱۱) ختم نبوت — -/8/-
(۱۲) حضور اکرم کی سیاسی زندگی — 4/8/-
(۱۳) مسلمانوں کا نظام حکمرانی — 6/8/-
(۱۴) ہم اور ہمارا نظام حکمرانی کامل سیٹ ۳ جلدوں میں — 8/-/-
(۱۵) تاریخ مذہب شیعہ — 2/-/-
(۱۶) اکرام المسلمین — -/6/-
(۱۷) اعجاز القرآن — -/12/-

و دیگر کتب ملنے کا پتہ

مکتبہ تبلیغ الاسلام (رجسٹرڈ) شیرانوالہ گیٹ لاہور

ایس ایم اکرام کی معرکۃ الآرا ادبی، اسلامی، ثقافتی کتب

آبِ کوثر

برّصغیر ہند و پاکستان میں عربوں کی آمد سے لے کر مغلیہ خاندان تک کی مذہبی، تمدنی، ثقافتی اور علمی تاریخ جس میں اس دَور کے بزرگانِ دین، علماء، مشائخ اور مفکّرین کے علمی اور عملی کارناموں کا مفصّل تذکرہ ہے جنہوں نے اس برّصغیر میں شمع اسلام روشن کی۔ قیمت ۵ روپے ۸ر

رودِ کوثر

ملّتِ اسلامیۂ ہند و پاکستان کی مذہبی، علمی اور فکری تاریخ اور اُن مقتدر شخصیّتوں اور تحریکوں کا مصدّقہ سیر حاصل بیان جنہوں نے عہدِ مغلیہ میں اس برّصغیر میں گراں قدر اسلامی خدمات سرانجام دے کر اس سرزمین کو فیضانِ اسلام سے سیراب کیا سابقہ ایڈیشنوں سے بالکل جداگانہ اور نئی کتاب۔ قیمت ۷ روپے۔

موجِ کوثر

ہندی مسلمانوں کی اُن شخصیّتوں کا تذکرہ جنہوں نے انیسویں صدی کے آغاز سے تا زمانۂ حال اپنی قوم اور مذہب و ملّت کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنے اپنے نظریات کی روشنی میں اسلام کی شمعِ کو روشن کیا۔ قیمت ۴ روپے ۸ر۔

حکیمِ فرزانہ

غالب کی زندگی اور ادبی شخصیت میں "دید و دانش" کو جو مرکزی حیثیّت حاصل تھی، اس پر شیخ صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے کہ کس طرح غالب نے شعر کے عارضی اور مجازی معانی سے ہٹ کر زندگی کی عمیق حقیقتوں کی طرف توجّہ مبذول کی ہے۔ ایک انوکھی اور نئی چیز۔ قیمت ۴ روپے۔

حیاتِ غالب مصنّف نے سیرت نگاری کے جدید تقاضوں کی روشنی میں غالب کے خارجی حالات کے ساتھ ساتھ ان کی باطنی کشمکش، شخصیّت کی نشو و نما اور ذہن و جذبات کا ارتقا پیش کیا ہے۔ قیمت ۵ر

فیروز سنز — ۶۰ دی مال لاہور — بندر روڈ کراچی — ۳۲ دی مال پشاور

حکمت کے موتی یہ کتاب مردانہ و زنانہ امراض کیلئے طب کے نایاب اور صحیح مجربات کا بہترین مجموعہ ہے۔ ہر مرض کی مکمل تشخیص اور علاج درج ہے۔ ہر گھر میں طبابت کا کام دیتی ہے۔ قیمت مجلد ۸ر۔ غیر مجلد ۴ر۔ مجربات سینا سی ۸ر مجلد ۱۲ر کشتہ جات کی بے نظیر کتاب ہے۔ ہر دو کتب یکجا پر محصول ۱۲ر۔ خریداران خدام الدین کو معاف۔ ملنے کا پتہ:- کتب خانہ محمد یوسف کمپنی تاجپورہ لاہور

تار کا پتہ :- شب رول — فون نمبر 2851

پاکستان کی صنعت کو فروغ دیں

ہم بمسرت اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے

خراد مشین کا نیا ماڈل $\frac{\overset{2}{SAB}}{HU100}$

1958 کے لئے تیار کیا ہے۔ جس کا سائز ½ 6 فٹ گیئر ہیڈ اور نارٹن گیئر ہے

خواہش مند گاہک۔ ڈیلر اور ایجنٹ حضرات ہم سے رجوع فرماویں۔

ایم شبیر احمد اینڈ برادرز بادامی باغ - لاہور